مقالات فریدی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے مقالات

(جلد سوئم)

جامع و مرتب:

مولانا محب الحق

مقالات فریدی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے مقالات

(جلد سوم)

جامع و مرتب

مولانا محبّ الحق

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

ادارۂ ادبیات دلی

۵۸۰۳ صدر بازار دہلی

نام کتاب	:	مقالات فریدی (جلد سوم)
جامع ومرتب	:	مولانا محب الحق (پروہی مدھوبنی بہار)
کمپوزنگ	:	عبدالصبور (عبدالرحمن کمپیوٹر گرافکس، شاہی چبوترہ، امروہہ)
ناشر	:	ادارۂ ادبیات دلی ۵۸۰۳ صدر بازار دہلی
طباعت	:	جید پریس بلی ماران دہلی
تعداد	:	۵۰۰
سن اشاعت	:	۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء
قیمت	:	-/۲۵۰ روپے

محمد احمد نے ادارۂ ادبیات دلی کے جید پریس بلی ماران دہلی میں چھپوا کر شائع کی۔

ترتیب

افتتاحیہ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ، اما بعد!

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ (متوفی ۵؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ موافق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ء) کی تحقیقات، تصنیفات اور ذوق مطالعہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ بانی ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ نے الفرقان کے خصوصی نمبر میں جو مولانا فریدیؒ کی یاد میں شائع ہوا تھا ''ایک قابل رشک دوست، ایک بے مثال رفیق، نقوش و تاثرت'' کے عنوان سے جو ارقام کیا ہے اس کا مختصر اقتباس اس کتاب مقالات فریدی جلد سوم میں شامل کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

> ''مولانا کا خاص محبوب موضوع تھا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلے کے اکابر و مشائخ، مصلحین امت کا تذکرہ، ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات و ملفوظات (جو عموماً فارسی زبان میں ہیں) عہد حاضر کے اردو خواں مسلمانوں کے لیے سادہ و سلیس، دلکش اور دل نشیں اردو زبان میں منتقل کر کے مرتب کرنا۔ اس سلسلے میں وہ جو کچھ لکھتے تھے جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے اللہ کی رضا، اجر آخرت کی طلب اور امت محمدیہ کی خدمت ہی کی نیت سے لکھتے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ سب سے پہلے خود ان کا قلب سلیم اس سے سبق اور اثر لیتا تھا۔ ان کے اخلاص وللّٰہیت اور قلبی کیفیت کے اثر سے ان کی یہ تحریریں، ہر پڑھنے والے کے دل کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان کے ان مقالات میں کتنے بندوں کے دلوں میں

خدا طلبی، آخرت کی فکر اور ان اکابر و مشائخ عباد اللہ الصالحین کے نقش قدم پر چلنے کا شوق و جذبہ پیدا کیا، ایمان و یقین کی کیفیت میں اضافہ ہوا، اعمال صالحہ کی توفیق ہوئی، اور قرب و رضا الٰہی کی نعمت عظمٰی نصیب ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائی ہوئے خداوندی قانون و منشور رحمت ''من دلّ علٰی خیر فله اجر مثل فاعله'' کے مطابق یقین ہے کہ ان سب بندگان خدا کے اعمال کا اجر بھی ان کو عطا ہوگا۔

ناظرین کرام کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ اِدھر تقریباً پندرہ سال سے مولانا کی بینائی بالکل ختم ہوگئی تھی، لکھنا تو درکنار ایک سطر خود پڑھ بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود مطالعہ اور تحریر و تصنیف کا کام جاری رہا۔ دوسروں سے پڑھوا کر سنتے، یہ ان کا مطالعہ تھا اور خود بول کر دوسروں کے قلم سے لکھواتے، یہ ان کی تحریر و تصنیف تھی۔ ہم جیسوں کے لیے ان کا یہ حال بڑا ہی سبق آموز ہے۔''

''حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ و مجاز تھے۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ کو بھی حضرت گنگوہیؒ سے حدیث شریف میں تلمذ اور صحبت سے استفادہ کی سعادت حاصل تھی، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ بھی بیک واسطہ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ و مجاز تھے، الغرض ان تینوں واسطوں سے مولانا فریدیؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔ اس عاجز کا اندازہ ہے کہ مولانا فریدیؒ تقوے اور فتوے میں حضرت گنگوہیؒ کے قدم بہ قدم تھے۔''

حضرت مولانا فریدیؒ کی تحقیق کے متعلق مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی اس تحریر کو جو انھوں نے اسی خصوصی نمبر میں ''چند باتیں، چند یادیں'' کے عنوان سے لکھا ہے اس کا بھی مختصر اقتباس پیش کرتا ہوں:

> ''امروہہ کے اس مردم خیز قصبہ (جس کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایک ممتاز ترین تلمیذ حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے) کے مایہ ناز فرد مولانا نسیم احمد صاحب فریدیؒ تھے۔ جنھوں نے اپنی پوری زندگی اور ساری خداداد علمی و تحریری صلاحیتیں اس موضوع (خاندان مجدد الف ثانی اور خاندان ولی اللہی) کے لیے وقف کر دیں اور اس کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے (اور مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے) کہ خاندان مجددی اور خاندان ولی اللہی کے سلسلے میں اگر کسی تحقیق اور علمی اطمینان اور تاریخی ثبوت کی ضرورت ہوتی تو ان ہی سے سب سے زیادہ رہنمائی حاصل ہوتی۔ مولانا فریدیؒ نے تجلیات ربانی، مکتوبات خواجہ محمد معصوم، تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان شائع کر کے بہت سے ناواقفوں کے لیے واقفیت بہم پہنچائی۔ آخر میں انھوں نے شاہ ولی اللہؒ کے ان مکتوبات کے مرتب کرنے اور شائع کرنے کا اہتمام کیا تھا جو چاند پور اور حیدر آباد کے مخطوطات و نوادر کے ذخیرہ میں مدفون تھے۔''

مولانا فریدیؒ کے انتقال کی خبر اسی روز لکھنؤ پہنچی تو مولانا علی میاںؒ نے دارالعلوم ندوہ کی وسیع مسجد میں تعزیتی جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں اساتذہ اور طلباء کے علاوہ مولانا فریدیؒ کے خواہرزادہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم

یونیورسٹی علی گڑھ بھی موجود تھے۔ مولانا علی میاںؒ نے حضرت مولانا فریدیؒ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی سب سے بڑی خصوصیت کا ذکر کیا جو پندرہ روزہ تعمیر حیات کے علاوہ اسی خصوصی نمبر میں شامل ہے۔

''ان کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے۔ علم سے ان کو وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے، علمی اشتغال رکھنے والے تصنیف و تحقیق کا کام کرنے والے بہت مل جائیں گے، مگر ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ تھے۔''

یہ ہیں مولانا فریدیؒ کی تحقیقات کے متعلق بانی ماہنامہ ''الفرقان'' اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی آراء۔

اللہ نے مولانا فریدیؒ کی فطرت میں تحریر و تصنیف کا عمدہ سلیقہ بچپن سے ودیعت فرمایا تھا بلکہ تصنیف و تالیف اور مطالعہ کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کے خاندان میں متعدد لوگ صاحب تصنیف و تالیف گزرے ہیں اور انھوں نے کتابی صورت میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

مولانا فریدیؒ کی عمر تقریباً ۱۰-۱۱ سال کی ہوگی تو دل میں کتاب تصنیف کرنے کا شوق و ولولہ پیدا ہوا۔ چند مذہبی کتابوں کا مطالعہ کر کے ''مجمع البیان'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نامی کتاب تصنیف کی اور حکیم سید سلطان احمد رضوی امروہوی مرحوم نے جو کہ آپ کے ماموں زاد بھائی اور ہمدرس بھی تھے اپنے خرچ سے شائع کرائی۔ اس کتاب کو دیکھ کر ایک صاحب نے طنزاً کہا کہ: میاں! تمہاری تو یہ قابلیت نہیں کہ کتاب لکھو۔ کہاں سے نقل کر لی؟ معترض کو علم نہیں تھا کہ

بالائے سرش ز ہوش مندی　　می تافت ستارۂ بلندی

حضرت مولانا فریدیؒ کی تصنیفات و تالیفات اور مقالات معارف وحقائق کا مجموعہ ہیں۔ اللہ نے آپ سے وہ کام لیا جو ایک کمیٹی یا ایک ادارہ انجام نہیں دے سکتا۔

قارئین جب ''مقالاتِ فریدی'' کا مطالعہ کریں گے تو بخوبی محسوس کریں گے کہ مولاناؒ نے کتنی محنت، جانفشانی، کاوش اور عرق ریزی سے یہ مقالات لکھے ہوں گے۔

مقالاتِ فریدی جلد دوم کے منصۂ شہود پر آجانے کے بعد برادرم محمد احمد خاں امروہوی ادارۂ ادبیات دلی ۵۸۰۳ صدر بازار دہلی نے فوراً تیسری جلد کے لیے تقاضہ کر دیا کیونکہ پہلی اور دوسری جلدان کے اہتمام سے شائع ہوئی تھی۔

اس جلد کا آغاز و اختتام ملت اسلامیہ ہندیہ کے دو عظیم مصلحین ومجددین کے تذکروں سے کیا گیا ہے۔ آغاز الامام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے اور اختتام برصغیر میں تحریک جہاد کو زندہ کرنے والی عظیم شخصیت امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ شہید بالاکوٹ پر کر دیا گیا ہے۔ اس جلد میں پندرہ مقالے ہیں اور پہلی جلد میں تیرہ اور دوسری جلد میں بارہ۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے ان کرم فرماؤں کا تذکرہ نہ کروں جنھوں نے راقم کی ہر ممکن ہمت افزائی کی۔ مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری (نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد) کا وہ مضمون جو انھوں نے مقالات فریدی جلد اول و دوم پر ماہنامہ ''ندائے شاہی'' میں مختصر تبصرہ کیا ہے اس کو یہاں شامل کتاب کیا گیا ہے۔ استاذ گرامی حضرت مولانا محمد اسماعیل (استاذ حدیث ونائب مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ) کی رہنمائی حاصل رہی، اور میرے لڑکے مولانا مفتی حافظ قاری امدادالحق بختیار سلّمہٗ (نائب مفتی دارالعلوم حیدرآباد) کا بھی تعاون رہا۔ مولوی اسعد حسین مدھوبنی متعلم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ نے پروف ریڈنگ میں مدد دی اور عبدالصبور امروہوی سلّمہٗ نے کمپوز کر کے اس کتاب کے حسن کو دوبالا کیا۔

قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ جہاں آپ حضرت مولانا فریدیؒ کے لیے دعا فرمائیں وہیں راقم الحروف کے والدین مرحومین کے لیے بھی مغفرت کی دعا کریں۔

راقم السطور سب سے زیادہ دعاؤں کا محتاج ہے، اس حقیر کو بھی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

آخر میں التماس ہے کہ اس سیاہ کار کی بھول چوک کو دامن عفو میں جگہ دیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔

مولانا فریدیؒ کی روح مبارک کو یہ شعر پڑھنے کے قابل ہے ؎

کون کہتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

خاکپائے حضرت فریدیؒ محب الحق

خادم التدریس

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

مارچ ۲۰۱۱ء

تعارف

از: مولانا مفتی سید محمد سلمان منصوری پوری

نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی وایڈیٹر ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مراد آباد

مخدومِ معظم حضرت اقدس مولانا مفتی نسیم احمد فریدی نوراللہ مرقدہ (المتوفی ۱۴۰۹ھ) بڑے محقق، صاحب نظر، سلیم الفکر اور زندہ دل عالم دین تھے۔ ان کی تحریروں میں تحقیق وصداقت کے ساتھ ساتھ سادگی آمیز ادب کی چاشنی ہوتی تھی، اور ان کے مضامین اہل علم کے حلقوں میں ذوق وشوق سے پڑھے جاتے تھے، اور سند کا درجہ حاصل کرتے تھے۔ انہیں قریبی دور کے اکابر اولیاء اللہ اور ان کے خانوادوں سے بے انتہا عشق تھا جو گویا کہ جذب کی صورت اختیار کر چکا تھا، جب ان کی مجلس میں ان میں سے کسی کا ذکر چھڑ جاتا تو کیف کا عالم ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ معلومات کی پرت کی پرت کھلتی چلی جاتیں اور حاضرین وسامعین حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبا لیتے۔ اس سلسلے میں آپ نے نہایت جانفشانی سے مضامین لکھے اور انہیں اپنے دور کے اہم علمی رسالوں مثلاً ''برہان'' دہلی، ''الفرقان''، ''دارالعلوم'' اور ''تذکرہ'' دیوبند میں چھپوایا، ایسے مضامین بڑے معلومات افزاء اور تحقیق وجستجو کے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم زیادہ تر مضامین اب تک مذکورہ رسالوں کے صفحات میں محفوظ رہ کر قارئین کی دسترس سے باہر تھے، اللہ تعالیٰ آپ کے خادم خاص جناب مولانا محب الحق صاحب مدظلہ استاذ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد، امروہہ کو جزائے خیر دے کہ موصوف نے ایسے سب قیمتی مضامین کو رسالوں سے جمع کر کے مقالات فریدی کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ یہ واقعۃً اہل علم کے لیے گرانقدر سوغات ہے، قدرداں حضرات ضرور اس کی قدر کریں گے۔ مولانا فریدیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید اور روحانی فیض یافتہ بھی تھے۔

(بحوالہ ماہنامہ ندائے شاہی، مراد آباد/ ستمبر ۲۰۱۰ء)

تاثرات-مولانا عبدالحمید نعمانی

سکریٹری شعبۂ نشر واشاعت جمعیۃ علماء ہند

مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ ملک کے نامور صاحب نظر علمائے محققین میں سے تھے۔ تحقیق واحتیاط کے ساتھ حقیقت تک پہنچنے کی بے پناہ لگن سے ایسی چیزیں پیش کرتے تھے کہ وہ قابل توجہ بن جاتی تھیں۔ لکھنے، بولنے والوں کی کمی کبھی نہیں رہی ہے، لیکن مولانا فریدیؒ کی طرح انگنے ہی افراد ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہؒ، ان کے خاندان، اولا دواحفاد اور علمائے دیوبند کے سلسلے کے کاموں اوران کو سامنے لانے سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ ان کی متعدد تحریروں پر انہی صفحات میں تبصرے کیے جا چکے ہیں، گزشتہ دنوں سید العلماء (مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی سوانح حیات) اور مقالاتِ فریدی (جدل اول) پر تبصرہ کیا گیا تھا، اب مقالات کی دوسری جلد شائقین کے استفادے کے لیے زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔ اس میں بھی کتاب کے جامع ومرتب مولانا محب الحق صاحب نے اسے کام کی کتاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، دوسو نوے (۲۹۰) صفحات کی کتاب میں بارہ مقالات شامل ہیں، جن کو مرتب وجامع نے محنت وجستجو کر کے یکجا کیا، اور کتاب کی شکل دی ہے۔ متعدد ضروری مقامات پر مفید معلوماتی حاشیے تحریر کیے ہیں۔ سارے مقالات قیمتی اور قابل مطالعہ ہیں اور جو مقالات شامل کتاب ہیں ان کے عنوانات کچھ اس طرح ہیں:

(۱) الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ (۲) تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ (۳) آسمانِ علم وعرفان کے دو درخشندہ ستارے (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ شاہ محمد یعقوب دہلویؒ) (۴) کاروانِ اہل فضل وکمال (تلامذہ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ وشاہ محمد یعقوب دہلویؒ) (۵) ابوالحسن ساکت امروہوی اور ان کی شاعری (۶) مآثر شیخ الہند (۷) ملتان جیل میں مفتی کفایت اللہؒ کا علمی شاہکار (۸) اعزاز العلماء کی عنایتیں (شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ) (۹) حضرت شیخ الاسلامؒ کی جامعیت (۱۰) حضرت شیخ الاسلام کے درسِ حدیث کی ایک جھلک (۱۱) شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے دو مکتوب گرامی اور اس کا پس منظر (۱۲) ایک عظیم شخصیت ایک اجمالی مطالعہ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ) مقالات کے عنوان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زیر تبصرہ کتاب میں کیا کچھ ہے، جس طرح مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کا نام نامی مستند ہے اسی طرح تحریر کے مستند ومعتبر ہونے کی دلیل ہے۔ امید ہے کہ کتاب علمی حلقوں میں پسند کی جائے گی۔

(بحوالہ: تبصرہ مقالات فریدی جلد دوم ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی)

مقالہ (۱)[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

میں کیا بتاؤں کہ یہ شخصیت میرے لیے کتنی دل آویز، کس قدر روح پرور اور کس درجہ جاں نواز ہے! کن الفاظ سے بیان کروں کہ اس نام سے میرے قلب کو کیسی راحت، فرحت اور لذت محسوس ہوتی ہے۔ ہر چند اپنی بے کمالی کی بنا پر اس ذات بابرکات کے کمالات کا پورا پورا علم نہیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ میرے دل و دماغ کی کائنات میں یہ ذاتِ اقدس اپنے معارف و نظریات کے پردے میں جلوہ فگن ہے، ہر چند کہ بے بضاعت اور کم علم ہوں، لیکن اس پر نازاں ہوں کہ میرے جذبات عقیدت کو حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے علمی خاندان سے ایک ربط و تعلق ہے۔

میں نے عرصہ ہوا بعنوان ''مزار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ'' پر پہنچ کر چند اشعار بطور نذرِ عقیدت لکھے تھے۔ ان میں سے کچھ شعر یہاں بھی پیش کرتا ہوں

مزارِ حضرت شاہ ولی اللہ پر ہمدم ☆ دلِ پُر یاس و حسرت چشم گریاں لے کے آیا ہوں

نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہِ عالی میں ☆ عقیدت کیشاں، نقد دل و جاں لے کے آیا ہوں

جو کمہلا جائیں دو اک روز میں وہ پھول کیا لاتا ☆ میں اپنے باغ دل کی چند کلیاں لے کے آیا ہوں

چڑھانے کو تری تربت پر چادر کیوں لاتا ☆ میں اپنے سر پہ تیرا بار احساں لے کے آیا ہوں

مرے پیش نظر تصویر ہے بزم محدث کی ☆ تصور میں گلستاں در گلستاں لے کے آیا ہوں

وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں ☆ خزاں کے دور میں یاد گلستاں لے کے آیا ہوں

بچایا راہ زن سے رہنمائی نے تری اس کو ☆ بحمد للہ متاع دین و ایماں لے کے آیا ہوں

---

[1] یہ مضمون کتاب ''الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ'' مصنفہ مولانا عبدالقیوم مظاہری سے لیا گیا ہے۔ مولانا فریدیؒ نے یہ مضمون ۱۲؍ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ موافق ۱۹؍ اگست ۱۹۶۷ء میں لکھا تھا۔ (محب الحق)

تری تعلیم کے صدقے سے ہے جس میں تڑپ باقی ☆ اسی حساس دل کو زیر داماں لے کے آیا ہوں
فلک سے کہہ دو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے ☆ میں قبر شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لے کے آیا ہوں
عقیدت، نقدِ الفت، یادِ ماضی، سوزِ پنہانی ☆ مزارِ شیخ پر کیا کیا میں ساماں لے کے آیا ہوں
سنانی ہے مجھے اک داستاں بزم تصور میں ☆ میں اک دنیائے جذبات پریشاں لے کے آیا ہوں
فریدؔی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقدِ شہ پر ☆ دعاہائے فراواں، ذوقِ پنہاں لے کے آیا ہوں

میرے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز نکلتی ہے کہ بلا شک وشبہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وقت کے مجدد، حکیم الامت، امام علم وفن، مصلح امت اور ہمدرد انسانیت ہیں۔ وہ مذہباً مسلم اور وطناً ہندوستانی ہیں، لیکن ان کی افادیت کا دامن تمام آفاق اور تمام اقوام عالم پر محیط ہے۔ وہ بیک وقت ایک عظیم الشان عالم دین بھی ہیں اور درویش باصفا بھی۔ مفسر ومحدث بھی ہیں اور مفکر ومتکلم بھی، مدرس ومعلم بھی ہیں اور مولف ومصنف بھی، ماہر سیاسیات بھی ہیں اور رموز آشنائے معاشیات بھی، دریائے حکمت ومعرفت کے غوّاص بھی ہیں اور اسرار شریعت کے محرم خاص بھی۔ وہ حنفی بھی ہیں اور محقق بھی، وہ تمام معروف سلاسل طریقت سے وابستہ بھی ہیں اور روحانیت کے ایک خاص مقام پر امتیازی شان سے فائز بھی، انھوں نے اپنی خداداد بصیرت، بے نظیر روحانیت، معرکۃ الآرا تصنیفات و تالیفات، مکتوبات و ارشادات، حلقۂ ذکر وفکر اور خلفاء وتلامذہ کی جماعت سے خانقاہ ومدرسہ کو رونق تازہ بخشی اور پھر خانقاہ ومدرسہ کے امتزاج کے ذریعہ ایک ایسی دینی وروحانی فضا پیدا کی جس کے اثرات عالمگیر وآفاق گیر ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ''قرآن مجید'' کی بابرکت آیات نیز رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، اور آپ کے انسانیت نواز ارشادات و فرمودات کی روشنی میں وہ لائحہ عمل پیش فرمایا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے۔ رفاہِ خلق اور رفاہِ عام کے سلسلے میں ان کے عنبریں قلم سے جو مضامین برآمد ہوئے ہیں

ان کی وضاحت کی جائے اوران پر عمل کا سایہ ڈالا جائے تو کسی غلط نظام اور باطل ازم کو پنپنے کا موقع نہ ملے۔

انھوں نے اپنے زمانہ کے اٹھتے ہوئے فتنوں کی جونشاندہی کی تھی اوران کا جوتوڑ بتایا تھا اگران کے زمانہ کے مغل سلاطین اورامراءاس کوملحوظ رکھتے تو وہ زوالِ آفریں اورنکبت خیز حالات ہندوستان میں پیدانہ ہوتے، جومغلیہ سلطنت کے دم توڑنے تک اوراس کے بعد انگریز کے قبضہ واقتدار کے استبدادی دور میں رونما ہوئے اور جو آزادی ملنے کے بعد بھی آج جمہوری قبا میں آشکارا ہیں۔

مسلم ممالک ہوں، یا غیر مسلم، جمہوری حکومتیں ہوں یا شخصی، عرب ہو یا مصر، ہندوستان ہو یا پاکستان، سب ملکوں اوران کے سربراہوں کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کی تعلیمات ونظریات میں فلاح و بہبودی مضمر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی محفل سے ان کو فرمانروائی اور تدبیر ملک نیز سیاستِ بدن کے وہ نقشے آج بھی مل سکتے ہیں جن کے اجاگر ہونے پر امن و راحت، عدل و انصاف، تواضع و ایثار، خدمت خلق اور غربا پروری کا ہر چہار طرف رواج ہو جائے۔اور جمہوریت میں ایک تازہ رونق آجائے۔ جارحیت کی بھوک کم اور ہوس اقتدار نیز حوصلہ ظلم مائل بہ پستی ہو جائے۔خونریز لڑائیوں، برّی و بحری اور فضائی حملوں، سفاکیوں اور ہلاکت خیزیوں سے دنیا کو امن حاصل ہو۔اور یہ انسانیت کو تباہ کرنے والے جنگی بادل چھٹ جائیں، جو ایٹمی طاقت اور جدید بربادکن اسلحہ کے جلو میں فضائے کائنات پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بعدان کی فکر کی بنیادوں پر جن تعلیم گاہوں، اور خانقاہوں کا قیام ہوا ہے۔ وہ تمام دنیا کے سامنے روشن میناروں کی حیثیت سے جلوہ گر ہیں۔

دارالعلوم دیو بند ہو یا مظاہر علوم سہارنپور، دہلی ولکھنؤ، امروہہ ومرادآباد، کانپور و میرٹھ کی اسلامی درسگاہیں ہوں، یا ہندوستان کے دیگر صحیح طرز فکر والے علمی ادارے گنگوہ و

رائے پور، تھانہ بھون اور الہ آباد کی خانقاہیں ہوں یا دیگر اصلاحی و تبلیغی مراکز اور زاویئے۔ سب کے سب ان تعلیمی و روحانی مساعی جمیلہ کے ممنون ہیں، جو حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے مکتب فکر کے متوسلین سے بروئے کار آئی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان سے سر سید مرحوم کے عقیدتمندانہ تعلقات کے پیش نظر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا بھی یک گونہ تعلق، ولی اللہی تعلیمی سرگرمیوں سے ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہاں کے ماحول میں دینی پابندی اور حکمت ایمانی کے دوش بدوش دنیاوی علوم اور جدید مفید فنون میں کمالات پیدا کرنے کی فضا پیدا کی جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے فیوض و برکات جو آج بھی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں، کہاں تک شمار کروں۔ بس اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں ☆ ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

حضرت شاہ صاحبؒ کی اکثر و بیشتر تصانیف بحمد اللہ دستیاب ہو سکتی ہیں اور ان تصنیفات کے اندر حضرتؒ کی شخصیت اور ان کی فکر و نظر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی ایسی سوانح عمری اب تک مرتب نہیں ہوئی جو ان کے پورے حالات و کمالات کی آئینہ دار ہو۔

رحیم بخش صاحب دہلوی مرحوم نے ''حیات ولی'' ضرور لکھی ہے۔ لیکن وہ زیادہ تر ''انفاس العارفین'' کا ترجمہ اور ابائی و خاندانی حالات کا مجموعہ ہے۔ شاہ صاحبؒ کی کتاب زندگی کے بہت سے گوشے اس میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔

اب سے ساٹھ ستر سال پیشتر بھی خالص سوانح کا کام ہو جاتا تو بہت کچھ مواد مل سکتا تھا۔ مگر اب جتنا زمانہ گزر رہا ہے، وہ دستاویزیں، بیاضیں اور قلمی نوشتے ضائع ہوتے جا رہے ہیں۔ جن سے حضرتؒ کے مزید حالات اور خدمات کا پتہ چلتا۔

''القول الجلی'' حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات میں ان کے ماموں زاد بھائی اور خلیفہ مجاز شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے لکھی تھی۔ مدت سے اس کی تلاش ہے مگر آج تک وہ کہیں

دیکھنے کو نہ مل سکا۔[1]

پھلت ضلع مظفر نگر جو حضرت شاہ صاحبؒ کی ننھیال، پیدائش گاہ اور شاہ محمد عاشقؒ کا وطن ہے، وہاں بھی اس کتاب کا پتہ نہ چل سکا۔ بعد کو ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہم العالی سے معلوم ہوا کہ ''خانقاہ کاکوری'' کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اگر یہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آجائے، تو حضرت شاہ صاحبؒ کی سوانح پر مزید روشنی پڑ سکتی ہے۔[2]

حضرتؒ کے مکتوبات کا اہم مجموعہ احقر کو دستیاب ہوا ہے۔ جس کو ترجمہ کر کے مرتب کرنے کا ارادہ ہے۔ اس سے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ سوانح حضرت شاہ صاحبؒ کے بہت سے گوشے واضح ہوں گے۔[3]

مجھے بڑی مسرت ہے کہ محترم المقام مولانا عبدالقیوم صاحب مظاہری زید مجدہم نے حضرت شاہ صاحبؒ پر یہ قابل قدر کتاب لکھی ہے۔ وہ جواں سال، محنتی اور صالح عالم ہیں، جامعہ اسلامیہ کانپور میں مدرس ہیں۔ انھوں نے انتہائی محنت سے مختلف کتابوں سے ضروری مواد اخذ کر کے، ایک خاص ترتیب کے ساتھ، ایک اچھا خاصہ عطر مجموعہ تیار کر دیا ہے۔

یہ کتاب ان کی سعی قلم کا نقش اول ہے۔ مگر اس کے مطالعہ سے، ان کے مستقبل کے متعلق بہت کچھ اچھی توقعات قائم ہوگئی ہیں۔ میں نے اس کتاب کا مسودہ دیکھا ہے، لیکن کم فرصتی کے عالم میں سرسری طریقے پر۔ میں نے ان کو اپنی محدود معلومات کے تحت چند مشورے بھی دیے ہیں۔ اسی ایڈیشن میں یا اگلے ایڈیشن میں ان مشوروں پر بھی عملدرآمد

---

[1] جب یہ مضمون لکھا گیا تھا تو مولانا اعظمیؒ بقید حیات تھے۔ آپ کا وصال ۱۰ رمضان ۱۴۱۲ھ موافق ۱۷ مارچ ۱۹۹۲ء میں ہوا۔ [2] القول الجلی فی ذکر آثار ولی۔ شاہ ابوالخیر اکیڈمی، شاہ ابوالخیر مارگ دہلی سے شائع ہوگئی ہے اور اس کا اردو ترجمہ مولانا تقی انوار علوی کاکوروی نے کیا ہے۔ [3] مولانا فریدیؒ نے مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو مرتب کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے اور اصل رضا لائبریری رامپور سے شائع ہوا، ترجمے کے دونوں حصے حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت ضلع مظفر نگر سے ۱۴۱۹ھ موافق ۱۹۹۸ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ (محب الحق)

ہو جائے تو ناقدین کی تیز نگاہی اور آہنی گرفت سے بہت کچھ حفاظت ہو جائے گی۔

ہر تصنیف و تالیف میں، بمقتضائے بشریت، کچھ خامیاں اور اغلاط رہ جاتی ہیں۔ اگر انصاف و ہمدردی کے ساتھ اہل علم اور اہل قلم حضرات ان خامیوں کو نشاندہی کریں گے تو ان کے قبول کرنے میں مولانا کو غالباً کوئی عذر نہ ہوگا۔ اگلے ایڈیشن میں ان کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ مجموعی حیثیت سے اہل علم حضرات مؤلف کی اس مبارک کوشش کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

مولانا کتاب لکھ چکے، تو مقدمہ کے لیے احقر کو تجویز کیا، اس تجویز میں، مولانا قمرالدین صاحب[1] مظاہری مدیر ماہنامہ ''نظام'' کانپور کی شمولیت بھی تھی۔

اس بات سے تو مجھے خوشی ہوئی کہ انھوں نے اس اہم کتاب کے مطالعہ اور اس کی مقدمہ نگاری کی سعادت حاصل کرنے کا مجھے موقع دیا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ انتخاب کسی طرح صحیح نہیں تھا۔ اس کام کے لیے اور بہت سے قابل اور اہل نظر حضرات موجود تھے۔

اگر کسی ایسے اہل قلم سے مقدمہ لکھوایا جاتا، جو حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیفات اور حالات سے پوری آگاہی رکھتا ہو تو اچھا ہوتا۔ اور معلومات میں مزید اضافہ کی راہ پیدا ہو جاتی۔ میں تو بزرگوں کا فقط نام لیوا ہوں۔ نہ معلوم کیوں احباب کو یہ گمان ہے کہ میں بزرگوں کی کتابوں اور ان کی سوانح سے بھی پوری پوری واقفیت رکھتا ہوں۔ اتنا تجربہ تو ان حضرات کو ہو گیا ہوگا کہ میں کتنا سست قلم ہوں اور ذرا سے کام کے لیے میں نے ان کو کس قدر انتظار کی زحمت میں مبتلا کیا۔

اگر مقدمہ ہوتا، تو کچھ ڈھنگ کا ہوتا، کچھ کام کی باتیں ہوتیں، کچھ علمی گفتگو ہوتی، مگر

---

[1] مولانا قمرالدین مظاہری جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ کی ادارت میں نکلنے والا ماہنامہ ''نظام'' کانپور کے کئی وقیع نمبر نکلے۔ (۱) حج نمبر (۲) عیدالاضحیٰ نمبر (۳) تصوف نمبر (۴) قرآن نمبر (۵) سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیف خلافت وملوکیت کا علمی وتحقیقی جائزہ۔ (محب الحق)

میں تو کم علمی کے ساتھ معدوم الفرصت بھی ہوں۔ بہت سے مشاغل کے ہمراہ ضعف بصر کا عارضہ بھی لاحق ہے۔ بنابریں کچھ زیادہ لکھنے سے معذور ہوں۔

البتہ اتنی بات لکھنا اور کہنا ہے کہ صحیح فکر ونظر رکھنے والے ہمارے مدارس دینیہ میں اگر متوسط و منتہی طلباء کو حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات سے اہتمام کے ساتھ واقف کرایا جائے گا تو یہ ایک اہم اور مفید کام ہوگا۔ اور اس سے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی چند جامع تصنیفات باقاعدہ پڑھائی جائیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی کچھ کتابوں کا مطالعہ بھی لازم کیا جائے نیز فراغت کے بعد بھی اساتذہ کی نگرانی میں، ذہین اور ذی استعداد طلباء سے حضرتؒ کے علوم و معارف پر کام کرایا جائے اگر یہ کوشش ہوئی تو ہمارے مدارس اور خانقاہوں میں ایک بہار تازہ آجائے گی۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے ربط پیدا ہونے پر طلباء کا دینی شعور بیدار ہوگا، دینی بصیرت بڑھے گی اور عوام کے اندر دین کا کام، حکمت و بالغ نظری سے کر سکیں گے۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس کام کا نقشہ ''جمعیۃ الانصار'' قائم کر کے بنایا تھا۔ مگر اس پر ابھی تک پورا پورا عمل نہیں ہو سکا۔ آج جب کہ ہمارے درمیان سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ وغیرہم اکابر، جو سلسلہ ولی اللہی کے باکمال اور ذمہ دار متوسل تھے ''ربع صدی'' کے اندر اندر یکے بعد دیگرے رخصت ہو چکے ہیں۔ ہمیں اپنے موجودہ اہل علم اکابر کی رہنمائی میں اس کام کو پوری قوت اور مستعدی کے ساتھ انجام دینا چاہئے۔

میں جب دیکھتا اور سنتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت اور ان کی کتابوں پر غور وخوض کیا جا رہا ہے اور مستقل طور پر تحقیقی کام ہو رہا ہے تو سخت افسوس کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے ''دینی مدارس'' میں حضرت شاہ

صاحبؒ کی کتابوں سے اور ان کی خدمات سے غفلت برتی جارہی ہے۔

پروفیسر خلیق احمد[۱] نظامی سلمہ نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں حضرت شاہ صاحبؒ پر حسب ذیل کام ہوا ہے:

(۱) شاہ ولی اللہؒ پر آکسفورڈ میں ''ڈاکٹر ہائی پوتہ'' نے چند سال ہوئے پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری لی ہے۔ انھوں نے مشہور مستشرق ''پروفیسر گب'' کی زیر نگرانی کام کیا تھا۔ ڈاکٹر ہائی پوتہ اب ادارۂ الرحیم سے کچھ تعلق رکھتے ہیں اور سندھ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں۔

(۲) امریکہ میں دو مسلمان ''مسعود غزنوی اور عبدالحفیظ ملک'' شاہ صاحبؒ پر کام کر رہے ہیں۔

(۳) یورپ میں ایک انگریز ''ڈاکٹر بال جان'' شاہ صاحبؒ پر کام کر رہا ہے۔ وہ ہالینڈ کی یونیورسٹی میں پروفیسر ہے۔ تفسیر پر اس کی ایک کتاب انگریزی میں چھپ چکی ہے۔

آخر میں کارکنان ''ادارۂ معارف ملی'' کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک اہم کام انجام دیا اور دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اور اس کی تالیفات کو کامیابی عطا فرمائے۔ اور اس کے معاونین اور کارکنوں کو صحت و عافیت سے رکھے۔ آمین

---

[۱] پروفیسر خلیق احمد نظامی متوفی ۵/دسمبر ۱۹۹۷ء حضرت مولانا فریدیؒ کے خواہرزادے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر اور سفیر شام تھے۔ نظامی صاحب مرحوم کی برصغیر کے صوفیاء پر گہری نظر تھی۔ اس سلسلے میں ''تاریخ مشائخ چشت، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سیاسی مکتوبات، نگاہ فقر'' مشہور و معروف ہیں۔ (محب الحق)

مقالہ (۲)[1]

تذکرہ خلفا حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ

حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں ''خیرالبیان'' کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اب سے تقریباً تیرہ سال پیشتر اس نسخے کو مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، یہ کتاب حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے سوانح حیات اور حالات پر مشتمل ہے، اس میں حضرت جھنجھانویؒ کے خلفاء کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ میں نے حضرتؒ کے خلفاء کے اسماء و حالات جو اس کتاب میں درج ہیں، نقل کر لیے تھے۔ کچھ عرصہ بعد کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے نسخہ ''خیرالبیان'' کو دیکھ کر اپنے نقل کیے ہوئے صفحات کا مقابلہ کیا اور پھر ان کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ترجمے کے مسودہ کو مبیضہ بنانے کے بعد یہ خیال ہوا کہ ان حضرات کے حالات دوسری کتب میں بھی تلاش کیے جائیں اور جہاں جہاں اجمال ہے یا کسی شخصیت کا حال بالکل نہیں لکھا گیا ہے، دوسری کتابوں کی مدد سے یہ کمی پوری کر دی جائے۔ ''نزہۃ الخواطر'' کو اس مقصد کے لیے خاص طور پر سامنے رکھا۔ مگر چونکہ میری بینائی رفتہ رفتہ کم ہو رہی تھی اس لیے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اس کے بعد بینائی بالکل جاتی رہی۔ اور یہ کام رکا رہا۔ ایک سو پندرہ خلفاء کا ذکر ''خیرالبیان'' میں ہے، بعض خلفاء کا ذکر ''گلزارِ ابرار'' میں بھی ہے۔ چنانچہ سب سے آخر میں قاضی عبدالقادرؒ کا تذکرہ ''اذکارِ اخیار'' ترجمہ گلزارِ ابرار سے لیا گیا ہے۔

مکرم جناب نسیم احمد علوی جھنجھانوی زید مجدہم نے مجھے تحریر فرمایا کہ اس تذکرہ کو وہ شائع کر دیں گے۔ چنانچہ خود امروہہ تشریف لا کر اور نظر ثانی فرما کر شائع کرنے کے لیے

[1] یہ تذکرہ مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ ضلع مظفرنگر کی جانب سے نسیم احمد علوی جھنجھانوی مرحوم کے اہتمام سے شائع ہوا تھا۔ (محب الحق)

اپنے ہمراہ لے جا رہے ہیں۔ میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ یہ شائع ہو جائے اور دیگر کتب تاریخ سے مدد لے کر خلفاء کے زائد حالات اور سن وفات تحقیق وجستجو کے بعد درج ہو جائیں گے۔ فی الحال فہرست خلفاء اور ان کے مختصر حالات پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگانِ دین کی سوانح حیات اور ان کے فیض یافتگان کے حالات سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کی توفیق بخشے اور ان کے انفاس قدسیہ کی برکت سے اتباعِ شریعت وسنت کی سعادت اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین

خلفاء

(۱) شیخ طیّب صدیقی ملتانیؒ: آپ حضرت شیخ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے تمام خلفاء میں افضل تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال و امتیاز حاصل تھا۔ حضرت شیخ جھنجھانویؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ "صدق" ان کا خاندانی اور آبائی ورثہ ہے۔

(۲) شیخ عمر (افغان) مشوانی دیوبندیؒ: آپ عارفِ صحیح الحال تھے۔ حضرت پیرومرشد آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے "ھٰذا عُمری" (یہ میرا عمر ہے)

(۳) میر عبدالرزاق عراقیؒ:

(۴) میر سید علی لدھیانویؒ: بحر عرفاں اور عالی مشرب شیخ تھے۔ حضرت شیخ جھنجھانویؒ نے آپ کے متعلق یہ فرمایا ہے "ھٰذا علیٌّ عین العلی" یعنی سید علی، حضرت علیؓ کے نور عین ہیں۔ اس جملے کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ سید علی اپنے جدامجد حضرت علیؓ سے روحانیت اور باطنی حالات میں مشابہ ہیں۔ متوفی ۱۰۰۲ھ آپ کی "شیخ انام" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ آپ کے جانشین میر سید محمود ہیں۔ (از منتخب التواریخ ص ۶۱۵)

(۵) شیخ حسین پانی پتیؒ: آپ حضرت جھنجھانویؒ کے ان اسرار ومعارف کے محرم خاص تھے جو بحالت خلوت آپ کے قلب مبارک پر وارد ہوتے تھے۔

(۶) حاجی عمر سکندر پوریؒ: باطنی حالات کی بلندی کے لحاظ سے آپ ایک خاص مقام پر فائز تھے۔

(۷) شیخ جابرؒ: آپ شیخ طیّب ملتانیؒ کے بڑے بھائی ہیں۔ صاحب احوال سنیہ اور عارفِ کامل تھے۔

(۸) شیخ یقین ما شیخ متینؒ: امتیازی شان رکھتے تھے، اشعۂ ولایت آپ کی پیشانی پر چمکتے تھے۔

(۹) شیخ یوسف بداوئیؒ: علومِ حال وقال کے جامع تھے۔

(۱۰) شیخ احمد ناگوریؒ: آپ ابدالانِ وقت میں سے تھے۔

(۱۱) شیخ محمد صوفی پابلیؒ: از جملہ مشائخ وقت اور صاحب سماع تھے۔

(۱۲) شیخ ابو بکر سکندر پوریؒ: آپ حاجی عمر سکندر پوریؒ کے بھائی تھے۔ عجیب حالات رکھتے تھے، اپنے پیرومرشد کی محبت میں غرق رہتے تھے۔

(۱۳) شیخ عبدالسلامؒ: آپ ''موضع اکراہو'' میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ موضع کوہستانی علاقے میں ہے۔

(۱۴) شیخ عبدالحکیم سرہندیؒ: آپ علم ظاہری و باطنی میں مشائخ کرام کے صحیح وارث وجانشین تھے۔

(۱۵) شیخ شادن دہلوی الاجودھنیؒ: آپ نے حضرت شیخ جھنجھانویؒ کے ملفوظات جمع کیے تھے۔ پیر و مرشد آپ کی جانب بہت کچھ توجہ مبذول فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو حضرت جھنجھانویؒ نے ''مرتبہ قطبیت'' کی بشارت دی تھی۔

(۱۶) شیخ یوسف اجودھنیؒ: اپنے حالات کے لحاظ سے آپ فنافی الشیخ کے مقام پر تھے۔

(۱۷) شیخ غازی میرٹھیؒ: آپ عالی احوال مجاذیب میں سے تھے۔

(۱۸) شیخ نصیرالدین المشہور بشیخ تھن میرٹھیؒ: آپ صحیح الاحوال اور صاحب مشرب عالی تھے۔ اعیانِ مشائخ وقت میں آپ کا شمار تھا۔

(۱۹) شیخ محمود عالم ساکن کریؒ؟: آپ مشائخ ''گجرات'' میں سے ایک جلیل القدر اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔

(۲۰) شیخ موسیٰ زبیریؒ: آپ علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ جنھوں نے حضرت شیخ مودود لاریؒ سے اکتساب فیوض و برکات وکفیل علوم کی تھی۔

(۲۱) شیخ محمد ساکن تھانہؒ: آپ قوی الہمتہ اور علماء و صلحائے وقت میں سے تھے۔

(۲۲) قاضی فاضل جھنجھانویؒ: آپ علم ظاہری و باطنی دونوں میں حضرت شیخ جھنجھانویؒ کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے۔ حضرتؒ کی آپ کی جانب خصوصی توجہ تھی۔

(۲۳) حافظ عبدالرحیم تھانویؒ: آپ تجوید قرآن میں یگانہ روزگار اور صاحب حال بلند تھے۔ آپ کی موجودگی میں حضرت شیخ جھنجھانویؒ کسی دوسرے کو امام نہیں بناتے تھے۔

(۲۴) سید صدرالدینؒ: آپ حضرتؒ کے اولین خلفائے مجازین میں سے تھے۔

(۲۵) سائیں (اللہ) دیہؒ: آپ ''بانگڑ مو'' کے باشندے تھے۔

(۲۶) شیخ امجد دولت آبادیؒ: آپ جید عالم اور عظیم الحال بزرگ تھے۔

(۲۷) سید ابوالمعالی گردیزیؒ: آپ صاحب خرق عادات اور بلند مرتبہ شیخ وقت تھے۔ ''پنجاب'' کے کسی مقام پر آپ کی سکونت تھی۔

(۲۸) شاہ سلطان علی کشمیریؒ: آپ کو شرب خمر کی عادت پڑ گئی تھی۔ بالآخر توبہ کی اور حضرتؒ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے سالہا سال آستانہ مرشد پر رہ کر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کشمیر میں مرجع خلائق اور مقبول خاص وعام ہوئے۔

(۲۹) شاہ جلال شیر پوریؒ: آپ حالِ عظیم رکھتے تھے اور صاحب وجد و ذوق تھے۔ مضافات ''سامانہ'' میں سے کسی مقام پر آپ کی سکونت تھی۔

(۳۰) سید آدمؒ: آپ ''ساداتِ سامانہ'' سے تعلق رکھتے تھے، افعال و اعمال میں شریعت غرّا کی پوری پوری مطابعت آپ کا خاص شعار تھا اور کوئی بات اس کے خلاف نہ کرتے تھے۔

(۳۱) شاہ ابوالخیر جونپوریؒ: آپ وفور فضائل کے باوجود عوام کی سی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مدتوں شیخ عمر دیوبندیؒ کی تربیت میں رہے۔ بالآخر حضرت شیخ جھنجھانویؒ سے اجازت وخلافت پائی۔

(۳۲) شاہ ابوالخیر لاہوریؒ: آپ سالہا سال آستانہ مرشد پر مقیم رہے۔ آخر کار تعلیم طریقت کی اجازت حاصل کی۔

(۳۳) شیخ ہاشمؒ: آپ عالی الحال بزرگ تھے۔ ہمیشہ مستغرق رہتے تھے۔

(۳۴) شیخ عبدالستار جھنجھانویؒ: آپ کشف قلوب میں امتیاز رکھتے تھے جس کسی مجلس میں ہوتے اصاغر واکابر کے خواطر پر مطلع ہو جاتے تھے اور اپنے کشف کا بہت جلد اظہار کر دیا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت پیر ومرشد کی ناراضگی کا باعث بنتی تھی۔

(۳۵) شاہ اللہ بخشؒ: آپ درویش کامل اور صحیح الحال تھے۔ اکثر ''اعظم پور'' میں سکونت رکھتے تھے۔

(۳۶) سید عبدالقدوس انبالویؒ: آپ مجلس مرشد میں بہت زیادہ حاضر رہتے تھے۔ بنابریں فیض الٰہی سے بہرہ مند ہوئے۔

(۳۷) سوانہارایا ابو مسلمؒ: آپ نومسلم تھے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر حضرت شیخ جھنجھانویؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے لگے۔ عرصۂ دراز کے بعد شرف خلافت سے مشرف ہوئے۔

(۳۸) شاہ فضائل محدثؒ: آپ نے ''عرب'' کے اکابر محدثین سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ سالہا سال ''حرمین شریفین'' میں مقیم رہے۔ جب ہندوستان واپس آئے تو حضرت شیخ جھنجھانویؒ کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ بعدِ حصول مقصد اصلی پیر ومرشد سے طاقیہ، عمامہ، خرقہ، شجرہ اور مصلا حاصل کر کے تمام خدام حضرتؒ والا میں ممتاز ہوئے۔

(۳۹) شاہ داؤد دکھنیؒ: صاحب نسبت اور اہل حال تھے۔

(۴۰) قاضی حبیب اللہ سونی پتیؒ:

(۴۱) سید ابوالعباس محمد سیستانیؒ: صاحب ذوق بزرگ تھے۔ اکثر "مردُم لاہور" آپ کے معتقد و گرویدہ تھے۔

(۴۲) شاہ جمال الدین اودھیؒ: ایک بڑی جماعت آپ کی رہنمائی سے مطلوب حقیقی تک پہنچی ہے۔

(۴۳) شیخ ابوالفتح قادریؒ: آپ علاقۂ کول (علی گڑھ) میں "قصبۂ جلالی" کے اندر اِقامت گزیں تھے۔ بڑی عمر پائی تھی آثارِ خیر و برکت آپ کی پیشانی پر ہویدا تھا۔

(۴۴) شیخ سلطان افغانؒ: آپ خورجہ (ضلع بلندشہر) کے ساکن اور حضرتؒ کے خاص خدام میں سے تھے۔

(۴۵) شیخ عبدالشکور صوفی جھنجھانویؒ: آپ شیخ امان اللہ کے صاحبزادے تھے جو صلحائے وقت میں سے تھے۔

(۴۶) قاضی خاں ظفر آبادیؒ: عالی مشرب اور بلند ہمت بزرگ تھے۔ آپ اُن میاں قاضی خاں کے علاوہ ہیں جو حضرت کمال الحق حسن طاہرؒ کے خلیفہ تھے۔

(۴۷) مولانا شکر اللہؒ: آپ نسلاً قوم کائستھ سے تھے۔ کپڑا بُننے کا پیشہ اختیار کر کے اقران سے مستغنی تھے۔ جب توفیق رفیق حال ہوئی تو حضرت شیخ جھنجھانویؒ کے قدموں سے وابستہ ہو گئے اور تمام دھندے چھوڑ دیئے۔

(۴۸) شیخ خداداد افغانؒ:

(۴۹) شیخ عبدالحکیم جھنجھانویؒ: اپنے اوقات کو اشغال باطنی سے معمور رکھتے

تھے۔ آپ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر انتقال فرمایا۔

(۵۰) شاہ زمان ہرویؒ: حضرت اقدسؒ کی خدمت میں آنے سے پہلے آپ ''سلاطین توران'' کی ملازمت میں رئیسانہ زندگی گذارتے تھے۔ ایلچی (قاصد) کی حیثیت سے ''سلطان ابراہیم لودھی'' کے پاس ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرتؒ کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر کایا پلٹ گئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ملازم خانقاہ ہو گئے۔ عرصۂ دراز تک ریاضت و خدمت کرنے کے بعد از جملۂ واصلانِ حق ہوئے۔ اجازت وخلافت پاکر لکھنوتی میں اقامت اختیار کی اور مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔ اس علاقہ کے کثیر التعداد اشخاص آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

(۵۱) سید امین الدین دانشمندؒ: آپ عالم تبحر اور علوم شریعت وطریقت کے جامع وماہر تھے۔

(۵۲) شیخ اسمٰعیل انصاری پانی پتیؒ: آپ حضرت اقدسؒ کے خواص اصحاب میں سے تھے۔

(۵۳) شیخ بہاء الدین زکریاؒ: آپ اپنی املاک کی تصحیح کے سلسلے میں اکبرآباد (آگرہ) آئے ہوئے تھے یہاں حضرت مرشد جھنجھانویؒ سے ملاقات ہوئی اور شرف بیعت حاصل ہوا۔ حضرت والا کی توجہات خصوصی آپ کی جانب مبذول رہتی تھیں۔

(۵۴) شیخ افضلؒ: جب شوق طلب دامن گیر ہوا، بہت سے درویشوں کی خدمت میں پہنچے۔ قطب[1] العالم کی رہنمائی سے حضرت جھنجھانویؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حصول

[1] شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ۔ (فریدی)

مطالب کے بعد صاحب مجاز ہوئے۔

(۵۵) شاہ علی ترکمان نارنویؒ: آپ عالم باعمل اور شیخ کامل تھے۔ حضرت بندگی شیخ حمزہؒ کے دوست تھے۔ عطائے خلافت سے سرفراز کیے گئے۔

(۵۶) شیخ نظام الدین قریشیؒ: آپ بالکل اُمّی تھے۔ حروف تہجی کی بھی شناخت نہ تھی۔ مگر علم لدنی حاصل تھا۔ عارفانہ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

(۵۷) شیخ فتح اللہؒ:

(۵۸) سید ابوالغیث بخاری ساکن روپڑ (مشرقی پنجاب)ؒ: آپ خلفائے حضرت شیخ جھنجھانویؒ میں ایک عالی وقار بزرگ تھے۔

(۵۹) شیخ عبدالحق بہاریؒ: عالم و فاضل اور صلحائے وقت میں سے تھے۔ بہت زیادہ ریاضت کی تھی۔ کشف قلوب میں عدیم المثال تھے۔

(۶۰) شیخ عبدالقادر انصاریؒ: آپ کے حال پر حضرت جھنجھانویؒ کی خاص توجہ تھی

(۶۱) شیخ شیخن سرہندیؒ: عالم و فاضل اور صحیح الحال بزرگ تھے۔

(۶۲) شیخ داؤد ساکن بسیؒ: اولیائے وقت میں سے تھے۔

(۶۳) میر ہمدم قلیؒ: عارفانِ صحیح الحال میں سے تھے۔ تاریک الدنیا ہو گئے تھے۔ اور طریق زہد پر ثابت قدم تھے۔

(۶۴) شیخ نصر اللہ دکھنیؒ: عالم و عامل اور شیخ کامل تھے۔ آپ کے حافظے میں متعدد علوم متحضر تھے۔ خلائق کو بطریق گوناگوں ارشاد و تلقین فرماتے تھے۔ بڑی عمر پائی تھی۔ شیخ

نصیر الدین دانشمندؒ جو علامۂ وقت تھے آپ ہی کے شاگرد تھے۔

(۶۵) شاہ احمد سرمست بنوریؒ: مشرب عالی رکھتے تھے۔ صاحبِ خوارقِ عادات وکرامات تھے۔ آپ کی بہت سی حکایات (کرامات سے متعلق) مشہور ہیں۔

(۶۶) میراں شاہ عبدالغفار بلگرامیؒ: آپ بعداز تحصیل علوم منقول و معقول، میاں فیروز صوفیؒ کی خدمت میں پہنچے تھے۔ اُن کی وساطت سے حضرت اقدس جھنجھانویؒ کے فیوض حاصل کرنے کے لیے جھنجھانہ آئے۔ سالہا سال خدمت اقدس میں رہے۔ بعد پختگی کار شرف خلافت سے مشرف ہوئے۔ اپنے علاقۂ کے اعیانِ مشائخ میں سے تھے۔

(۶۷) میراں سید فتح الدین اودھیؒ: آپ بہت ہی مسکین طبع اور قناعت والے انسان تھے۔ آپ کی پیشانی سے آثارِ خیر و برکت ظاہر ہوتے تھے۔

(۶۸) شاہ احمد سنامیؒ: آپ فضلائے روزگار میں سے تھے۔ تعلیم سادات کے لیے ''لدھیانہ'' آئے تھے۔ یہاں تعلیم دیتے رہے۔ کچھ عرصے بعد برہنمائی سید علی لدھیانوی حضرت جھنجھانویؒ کی خدمت اقدس میں پہنچے اور بقیہ عمر اوقات معموری اور حضوری میں بسر کی۔

(۶۹) قاضی رزق اللہ انصاری جھنجھانویؒ: آپ شروع میں شاہ محمد فیروز آبادیؒ سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ بعدۂ آپ نے حضرت اقدس جھنجھانویؒ سے وابستہ ہو کر طاقیہ اور پیراہن مبارک حاصل کیا اور اپنے اوقات کو یادِ حق میں گزارا۔

(۷۰) شاہ حسین مندویؒ: آپ پیرانِ طریقت میں سے تھے۔ مربی عصر حضرت میر سید علی قوامؒ (سرائے میری) سے بھی آپ کو خلافت حاصل تھی۔

(۷۱) **شیخ مسیتا فتحپوریؒ:** صلحائے وقت میں سے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ سلیم چشتی فریدیؒ (فتح پوری) سے بھی آپ نے خلافت حاصل کی تھی۔ متوفی ۹۷۰ھ

(۷۲) **قاضی شیخ رزق اللہ سلطان پوریؒ:** اپنے دور کے عبادت گزار اور اپنے عہد کے سلامت روزگار انسانوں میں سے تھے۔

(۷۳) **شیخ عتیق اللہ گرامیؒ:** آپ جید عالم تھے۔ اپنے دو تین مریدوں کے ساتھ سیاحت میں رہتے تھے۔

(۷۴) **خواجہ ابواسحاق افغانؒ:** بڑے باکمال اور عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ احمد آباد (گجرات) میں آپ کی سکونت تھی۔

(۷۵) **شاہ بایزید ساکن ٹھٹہؒ:** آپ کے اندر ایک خاص کشش تھی۔ جس کی وجہ سے خاص و عام پروانہ وار آپ پر فریفتہ تھے۔

(۷۶) **قاضی راجنؒ:** آپ ''پانی پت'' میں رہتے تھے۔ کثرت دولت اور افزونی حسن معیشت کے باوجود اپنے اوقات کو یادِ حق میں مصروف رکھتے تھے۔

(۷۷) **سید علی ابن محمد لاہوریؒ:** خوش سیرتی کے ساتھ ساتھ آپ خوب صورت بھی بہت زیادہ تھے۔ مسلم اور غیر مسلم جو بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار فریفتہ ہو جاتا تھا۔ علم تکسیر (تعویذات) میں آپ کو دستگاہِ کامل حاصل تھی۔ دیالپور میں آپ کی سکونت تھی۔

(۷۸) **سید محمد بیڈ ولویؒ:** آپ فرطِ ذکر اللہ اور کثرتِ یادِ حق سے اپنے اوقات کو معمور رکھنے والے بزرگ تھے۔

(۷۹) میراں سید[1] حامد ساکن امروہہ ضلع مرادآبادؒ: خلفائے حضرت جھنجھانویؒ میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ ایک ولی صفت انسان تھے۔ آپ کے کمالات باطنیہ کا علم بس اللہ ہی کو ہے۔

(۸۰) سید معین الدین دریابادیؒ: آپ علم شریعت اور علم طریقت کے جامع تھے۔ آپ کا قول اس سلسلۂ عالیہ میں ایک قوی حجت اور بلند برہان سمجھا جاتا ہے۔

(۸۱) شاہ سید نجم الدین مانک پوریؒ: آپ عرفائے درگاہِ حق میں سے ایک بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ کتابت میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اُسی کی اُجرت سے اپنا ذاتی خرچ چلاتے تھے اور جو ہدایا آپ کے پاس آتے تھے وہ گھر والوں اور دوسرے لوگوں پر خرچ کرتے تھے۔

(۸۲) شیخ عبدالمجید ساکن کھاتولی (ضلع مظفرنگرؒ): روشن جبیں اور صاحب برکت بزرگ تھے۔ اپنے مرشد کی خدمت انجام دینے میں تمام خدام سے زیادہ ساعی رہتے تھے۔

(۸۳) شیخ ظہیرالدین افغان خیرآبادیؒ: آپ کو سماع کی طرف بہت رغبت تھی۔ بعض اوقات عالم وارفتگی میں نمازیں قضا ہو جاتی تھیں۔ جب افاقہ ہوتا تھا تو استغفار اور گریہ وزاری کرتے تھے اور فوت شدہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ آپ کے مرید بڑی تعداد میں تھے۔

(۸۴) شیخ ہاشم لاہوریؒ: آپ اولیائے دانشمندان میں سے تھے۔ دولت علم سے بہت زیادہ نوازے گئے تھے۔ آپ نے ''جام جہاں نما'' کی ایک شرح لکھی ہے جو بیس جزو

---

[1] امروہہ کو مرادآباد سے الگ کر کے صدر مقام کا درجہ دیا گیا ہے۔ امروہہ کے تحت تین تحصیلیں ہیں۔ (محب الحق)

پر مشتمل ہے، قابل دید کتاب ہے۔

(۸۵) عبدالملک بن عبدالغفور معروف شیخ امان اللہ (پانی پتی)ؒ:

آپ ایک عالی مرتبہ صوفی و محقق تھے۔ ''لوائح جامی'' کی آپ نے ایک شرح لکھی ہے جو بہت طویل و بسیط ہے اور جواہر کلماتِ دلکش سے بھری ہوئی ہے۔ تاریخ وفات ۱۲؍ربیع الآخر ۹۵۷ھ موافق ۱۵۵۰ء ہے۔ ''اخبارالاخیار'' اور ''گلزارِ ابرار'' میں بھی آپ کا مفصل ذکر خیر موجود ہے۔

(۸۶) شاہ معصوم کابلیؒ: آپ کا اصلی نام عاصم تھا۔ پیرو مرشد نے بعد عطائے خرقۂ خلافت آپ کا معصوم نام رکھا۔

(۸۷) شیخ بڈھن خضر آبادیؒ: آپ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے مظہر عنایاتِ رحمانی اور حاویٔ کمالات انسانی تھے۔

(۸۸) سید عبدالحمید خورد (سالوری)ؒ: از جملہ عارفان صحیح الحال و صاحب خوارق و کرامات بزرگ تھے۔

(۸۹) شیخ محمد ترکمان بہاریؒ: اولیائے وقت میں سے تھے۔ اکثر گریہ وزاری اور رقت کی حالت ان پر طاری رہتی تھی۔

(۹۰) میر سید اسحاق الحسنی جونپوریؒ: آپ اعیانِ مشائخ اور اجلۂ متوسلانِ حضرت جھنجھانویؒ میں سے تھے۔ کشف و کرامات میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

(۹۱) سید شاہ شمس الدین میرٹھیؒ: آپ عالم و عامل اور میرٹھ کے ایک رفیع

المنز لہ بزرگ تھے۔

(۹۲) شیخ اشرف ملتانیؒ: آپ شیخ العصر اور شریف الدہر تھے۔ سلطان ابراہیم لودھی سے لے کر عہد اکبر بادشاہ کے وسط تک کا زمانہ پایا اور خلائق کو ہدایت کرتے رہے۔ حضرت پیرومرشد سے اجازت پاکر ''قصبہ مکاری'' میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وہاں لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آتے تھے۔

(۹۳) شیخ جلال الدین تھانیسریؒ:

(۹۴) شیخ کمال الدین[1] تھانیسریؒ: یہ دونوں بھائی ''سادات ترمذ'' سے تعلق رکھتے تھے۔ وفور علم کے ساتھ ساتھ حلم و تواضع اور جود و سخا کی صفات سے ممتاز تھے۔ ان کے پدر بزرگوار سید امین الدین علوی ترمذ سے منتقل ہو کر ''کابل'' آگئے تھے۔ وہیں یہ دونوں صاحبزادے پیدا ہوئے۔ جب یہ دونوں تحصیل علم سے فارغ ہو گئے تو سید امین الدین علوی کابل سے تھانیسر میں آگئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے حضرت اقدس جھنجھانویؒ کی خدمت میں پہنچ کر صوفیا کی بعض کتب متداولہ کو پڑھا اور سند لی۔ آخر کار قال سے حال اور عین الیقین سے حق الیقین تک رسائی ہوئی۔

اہل تھانیسر کے معاندانہ طرز عمل کی وجہ سے یہ دونوں بھائی ''بہار'' کے کسی مقام پر مقیم ہو گئے تھے۔

---

[1] ''گلزار ابرار'' میں شیخ کمال الدین قریشی کے عنوان سے لکھا ہے کہ وہ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے مرید ہیں۔ گجرات کی بندرگاہ ''کوکہ'' میں اپنے پیر کی اجازت سے قیام اختیار کیا تھا اور وہیں سلسلۂ ارشاد جاری کر رکھا تھا۔ بہت سے لوگوں نے آپ کی ہدایت کی بدولت کمالات حاصل کیے۔ (فریدی)

(۹۵) شیخ ابوالفتح فاروقی سونی پتیؒ: اولیاء صحیح الحال میں سے تھے۔ حضرت مرشدؒ کی توجہ آپ کی جانب بہت زیادہ تھی۔

(۹۶) میاں عبداللہؒ:

(۹۷) میاں حسینؒ:

(۹۸) میاں اللہ یارؒ: آپ صاحب ولایت جھنجھانہ میر سید محمود شہیدؒ کے روضہ پر رہتے تھے۔ حق تعالیٰ نے باب معرفت آپ پر کشادہ کر دیا تھا۔

(۹۹) شاہ ابوالمکارم قنوجیؒ: عالم متبحر اور صاحب عظمت و برکت بزرگ تھے۔

(۱۰۰) مولانا راجن دانشمند ساکن ریڑی چندوؒ:

(۱۰۱) سید تاج الملکؒ: آپ کی ''قصبہ کہمانہ'' میں سکونت تھی۔ شغل باطنی میں مستغرق رہتے تھے۔ شبانہ روز میں ایک لقمے سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ جب آپ کی وفات کی خبر سنی تو حضرت شیخ جھنجھانویؒ کو بڑا صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر یوں فرمایا کہ اب ہم کو بھی سفر آخرت اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے۔

(۱۰۲) شیخ برہان الدین بلخیؒ: آپ ایک جید عالم تھے۔ سکندر لودھی کے دربار میں علمائے ہندوستان سے مباحثہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ میں حضرت شیخ جھنجھانویؒ سے بھی مناظرہ و مباحثہ کیا۔ حضرت جھنجھانویؒ کی کرامت کے اثر سے آپ کی تمام معلومات لوحِ سینہ سے محو ہو گئیں۔ بالآخر مطیع و منقاد ہو کر داخل حلقہ ہو گئے۔

(۱۰۳) شیخ احمد سامانیؒ: درویش عالی الحال اور صاحب خانقاہ ورباط تھے۔

(۱۰۴) شیخ وجیہ الدین قنوجیؒ:

(۱۰۵) شیخ ولی الدین چرتھاولیؒ: ابتداء میں یہ دونوں شیخ عمر دیوبندیؒ کی تربیت میں تھے۔ حضرت اقدس جھنجھانویؒ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آخر میں شیخ وجیہ الدین حضرت جھنجھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور مدتوں حضرتؒ کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی۔ شیخ ولی الدین نے بھی حضرت اقدسؒ سے خرقہ خلافت پایا اور مرشد کی نگاہِ خاص سے نوازے گئے۔

(۱۰۶) شیخ ہاشم گھاتم پوریؒ: آپ صالحانِ وقت اور نوکرانِ سلطان ابراہیم لودھی میں سے تھے۔ قائد توفیق نے حضرت اقدس جھنجھانویؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرتؒ اس وقت دہلی میں تھے۔

(۱۰۷) شیخ ہاشم لاہوریؒ: آپ نے بقدر ضرورت تحصیل علم کر کے سپاہ گری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ جب امان اللہ بیگ چغتہ حضرت جھنجھانویؒ کی خدمت میں جھنجھانہ آئے تو شیخ ہاشم بھی ملازم کی حیثیت سے ان کے ہمراہ آئے اور دولت پابوسی حاصل کر کے حضرت اقدسؒ سے تعلق پیدا کیا۔ اس تعلق کے بعد آپ کا دل مطالبات دنیاوی سے کنارہ کش ہو گئے۔ نوکری چھوڑ کر حضرت اقدسؒ کی خدمت میں آگئے۔ ایک سال ریاضت کر کے مجاہدے سے مشاہدے تک پہنچے۔

(۱۰۸) میراں زید بخاریؒ: آپ مشائخ ''بخارا'' میں سے تھے۔ مقام عالی اور

حال بلند آپ کو حاصل تھا۔

(۱۰۹) شیخ اسمٰعیل پلویؒ: آپ علم حدیث کے ماہر تھے۔ علم حدیث اور علم تصوف حضرت جھنجھانویؒ سے پڑھا تھا اور سند حاصل کی تھی۔

(۱۱۰) شیخ علی سیاح بہرا یچیؒ: آپ کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ حضرت اقدسؒ سے تعلق پیدا کرنے سے پہلے جوگیوں میں اُٹھتے بیٹھتے تھے۔

(۱۱۱) شاہ صفیؒ: آپ سادات ''رند جان'' سے تعلق رکھتے تھے۔ تمام علوم میں معقول و منقول میں پوری واقفیت تھی۔

(۱۱۲) شاہ افضل ابدالؒ: آپ حضرت جھنجھانویؒ کے فرزند تھے۔ طریقۂ ملامتیہ اختیار کر لیا تھا۔ پھر اس سے تائب ہو گئے۔

(۱۱۳) شیخ عبدالمجید ابن شیخ محمود ابن حضرت شاہ اعظم محمد خیالیؒ: آپ حضرت اقدس جھنجھانویؒ کے پیرومرشد کے پوتے تھے۔ باطنی حیثیت سے مقام بلند پر فائز تھے۔

(۱۱۴) جمال العارفین شاہ محمد جھنجھانویؒ: آپ حضرت شیخ جھنجھانویؒ کے فرزند کلاں اور خلیفہ و جانشین تھے۔

(۱۱۵) قاضی عمر کیرانویؒ: حضرت جھنجھانویؒ کے خاص مسترشد اور صاحب برکت بزرگ تھے۔ آپ نے بھی شاہ افضل ابدال کی طرح مشرب ملامت کو اختیار کر لیا تھا۔ پھر اس سے تائب ہو گئے۔

(۱۱۶) قاضی عبدالقادرؒ: آپ قاضی محمود کے صاحبزادے اور شیخ امان اللہؒ کے

چچازاد بھائی ہیں۔ آپ نے شیخ امان اللہؒ سے علم تصوف حاصل کیا تھا۔ آپ بڑے سیاح تھے۔ تین مرتبہ ''حرمین شریفین'' اور ''بیت المقدس'' میں حاضری دی اور سعادت اندوز ہوئے۔ کچھ عرصے ''اجین'' میں رہے اور پھر ''سارنگ پور مالوہ'' میں اقامت گزیں ہوگئے۔ آپ کے چچا سارنگ پور کے قاضی تھے۔ ان کی رحلت کے بعد منصب قضاء آپ کے نام ہوگیا تھا۔ مگر آپ اس منصب سے وابستہ رہنا نہیں چاہتے تھے۔ ہر جمعہ کے دن جامع مسجد میں ''تفسیر قرآن'' بیان کیا کرتے تھے۔ رحلت کے روز بھی حسب عادت مقررہ ''سورۂ مزمل'' کی تفسیر بیان کی۔ ''قاضی زندہ دل'' ۱۱۰۱ھ آپ کی تاریخ رحلت ہے۔

مقالہ (۳)[۱]

حضرت میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ

اور درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں

احقر شوال ۱۳۵۴ھ میں بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند پہنچا۔ شعبان ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت پائی۔ اس کے بعد وہاں تقریباً ڈیڑھ سال اور رہا۔ یہ چمنستانِ علوم دینیہ اس وقت بھی بدستور سابق سرسبز وشاداب تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ مسند صدارت پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم تھے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ کے کئی باکمال تلامذہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے حدیث، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر تمام عقلی ونقلی علوم کا درس دے رہے تھے۔ اس گلشن قاسمی ورشیدی میں ایک عجیب رونق تھی۔

یہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی ہیں جو شیخ الادب والفقہ کہلاتے ہیں۔ حدیث میں شمائل ترمذی وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ دن رات دارالعلوم کی تعمیر ظاہری و باطنی اور تشنگانِ علوم کی سیرابی میں منہمک رہتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ہیں جو جامع معقول ومنقول ہیں۔ مسلم شریف اور معقول کی کتابوں کا درس دیتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا عبدالسمیع ہیں، دیوبند کے باشندے ہیں۔ مدتوں سے دارالعلوم میں پڑھا رہے ہیں۔ سادہ لباس اور بے تکلف عالم ہیں۔ مشکوٰۃ شریف جھوم جھوم کر پڑھاتے ہیں۔ تقریر کا انداز بھی بڑا پُر کیف ہے۔ زبان نہایت صاف وشستہ ہے۔ بستان المحدثین مؤلفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا سلیس اردو ترجمہ انھوں نے کیا ہے۔

---

[۱] یہ مقالہ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ جلد ۵۴، شمارہ ۸-۹ بابت ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ موافق اگست ۱۹۸۶ء ومحرم ۱۴۰۷ھ موافق ستمبر ۱۹۸۶ء سے لیا گیا ہے۔ (محب الحق)

حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری بھی بحیثیت مفتی دارالعلوم یہاں موجود ہیں۔ بڑے متبع سنت، بڑے پابند اوقات بزرگ ہیں۔ یہ حضرت میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندی ہیں روزانہ صرف ابوداؤد شریف کا درس دینے کے لیے دارالعلوم آتے ہیں۔ عجیب شان کے بزرگ ہیں۔ عصا ہاتھ میں اور ابوداؤد کے اجزاء جن کا درس دینا ہے، وہ ان کے پاس ہیں۔ آہستہ آہستہ، نیچی نظر کئے ہوئے، صاف ستھرا دیدہ زیب لباس زیب تن کئے تشریف لاتے ہیں۔ درس دے کر پھر اپنے مکان چلے جاتے ہیں۔ مکان پر ملاقات کرنے والوں کو عصر کے بعد موقع دیتے ہیں۔ صرف باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتے ہیں اور گھر چلے جاتے ہیں۔ تصنیفات و تالیفات بھی ان کی کافی ہیں۔ گلزار سنت ان کی بہترین کتاب ہے۔ دو کتابیں علم فرائض میں ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن محدث دیوبندی) کی سوانح عمری بھی انھوں نے لکھی ہے جو بہت ہی دل نشیں اور عمدہ طرز تحریر سے آراستہ ہے۔ آج میں انھیں پر کچھ لکھوانا چاہتا ہوں۔ ان کا تصور بھی کبھی کبھی آجاتا ہے۔ نہ معلوم پچھلے دو مہینوں سے یہ تصور کیوں بڑھتا گیا۔ میاں صاحبؒ کی باتیں یاد آتی ہیں۔ ان کا درس یاد آتا ہے۔ ان کا چلنا پھرنا یاد آتا ہے۔ ان کی نگاہِ پُرکیف بھی یاد آتی ہے۔ ع

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سمارہے ہیں

میں نے ان کے درس ابوداؤد شریف کی تقاریر کو ضبط کرلیا تھا۔ گو اس میں پورا کامیاب تو نہ ہوسکا لیکن خاص خاص تشریحات و توضیحات کو اسی وقت لکھ لیا تھا (حالانکہ) وہ خود بھی زیادہ تقریر نہیں فرماتے تھے پھر بھی جو کچھ انھوں نے فرمایا اس کو بجنسہ قلمبند نہ کرسکا۔ تقاریر ابوداؤد کی یہ کاپی میرے لیے حرز جاں بنی رہی اور جہاں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے افادات میرے کام آئے وہیں ابوداؤد پڑھاتے وقت یہ قیمتی شذرات بھی میرے لیے رہنما بنتے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اول میاں صاحبؒ کے تھوڑے سے حالات مع چند ملفوظات

کے تحریر کرادوں۔ پھر درسِ ابوداؤد کے چند نمونے لکھاؤں۔ میاں صاحبؒ کی ایک سوانح عمری ان کے صاحبزادے مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی مرحوم، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند نے لکھی ہے۔ وہ اگرچہ مختصر ہے مگر بہت غنیمت ہے۔ اگر یہ کتاب سامنے نہ ہوتی تو میاں صاحبؒ کے قابلِ ذکر حالات کا بھی پتہ نہ چل سکتا۔ اس کتاب پر اضافہ تو کیا ہوتا خود یہ کتاب بازار سے غائب ہے، دیوبند جو تجارتی کتابوں کی منڈی ہے وہاں اس کا پتہ نہیں۔ دہلی میں بھی یہ کتاب نہیں ملی۔ سہارنپور میں بھی غالباً[1] موجود نہیں۔ یقیناً ہماری بے حسی کی بات ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے نقوش کو اُبھارنے بلکہ محفوظ کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔

مختصر سوانح و احوال حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ

آپ شاہ سید محمد حسن دیوبندیؒ کے صاحبزادے تھے۔ ۸ر شوال ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۸۷۷ء کو بروز سہ شنبہ بعد عشاء پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے والد کے حقیقی ماموں سید عبداللہ شاہ عرف مُنّا شاہؒ سے ''بسم اللہ'' پڑھ کر اپنے والد بزرگوار سے تعلیم شروع کی۔ تقریباً ڈیڑھ دو سال میں تعلیم قرآن پاک حاصل کر کے والد ماجد ہی سے فارسی پڑھنی شروع کی اور دورانِ تعلیم سوائے اپنے کارِ تعلیم کے کبھی کھیل کود یا فضول کام سے واسطہ نہ رکھا۔ گلستاں تک اپنے والد ماجدؒ سے پڑھ کر دارالعلوم کے درجۂ فارسی میں داخل ہو گئے۔ یہاں بوستاں وغیرہ کتب فارسی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندیؒ سے پڑھیں جو اس وقت دارالعلوم میں درجۂ فارسی کے مدرس اول تھے اور فن حساب جناب مولانا محمد منظور احمد دیوبندی مرحوم سے حاصل کیا جو اس وقت دارالعلوم کے مدرس ریاضی تھے۔ میاں صاحبؒ نے درجۂ فارسی کی تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۳۱۰ھ میں درجہ عربی میں داخلہ لیا۔ آپ دارالعلوم میں پڑھتے بھی رہے اور وقت نکال کر اپنے والد صاحبؒ

---

[1] مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری استاذ دارالعلوم دیوبند کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے مدنی دارالمطالعہ دیوبند سے عاریۃً اس کتاب کو حاصل کر کے میرے پاس تک پہنچایا۔ (فریدی)

کے مدرسہ میں پڑھاتے بھی رہے۔ ۲۱ر جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ کو آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تدفین کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ نے حضرت مولانا محمد احمدؒ مہتمم مدرسہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نائب مہتمم اور مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کی موجودگی میں میاں صاحب کو بلا کر فرمایا: ''صاحبزادے! والد صاحب کے انتقال سے پڑھنا مت چھوڑ دینا، تحصیل علم میں مشغول رہنا۔'' جواب میں آپ نے عرض کیا: ''بہت اچھا''

اس وقت آپ ''شرح وقایہ'' پڑھ رہے تھے، والد صاحب کے انتقال کے بعد بھی ان کے مدرسہ کو پڑھانے کا وقت کچھ دیتے رہے اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ شہر کے بعض ہمدردانِ مدرسہ نے بہت اصرار کیا کہ اپنے والد کے مدرسہ ہی کو سنبھال کر بیٹھ جائیں یا اس کی نگرانی کا ذمہ لیں۔ میاں صاحبؒ نے دونوں باتوں کا انکار کرتے ہوئے فرمایا'' آپ خود ہی کوئی انتظام کر لیں۔ میں پڑھوں گا، مجھے نگرانی کی بھی فرصت نہ ہوگی'' اس کے بعد آپ نے حسب فرمودہ حضرت شیخ الہندؒ اپنے والد صاحب کے مدرسہ میں پڑھانا موقوف کر دیا اور تعلم علم عربی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور حضرت مولانا غلام رسولؒ سے بہت سی کتابیں پڑھ کر اپنے استاذ خاص حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ اور دیگر علوم کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ زمانہ تعلیم میں نہایت، انہماک کے ساتھ علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اپنے اساتذہ کا انتہائی ادب واحترام کرتے تھے، یہی بات عنایات اساتذہ کا باعث بنی۔

مؤلف ''سوانح حیات میاں صاحبؒ'' جناب مولانا اختر حسین صاحبؒ نے (جو آپ کے صاحبزادے ہیں) آپ کے زمانہ تعلیم کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔

> ''ایک مرتبہ آپ کی اپنے استاذ شفیق شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی، زبان مبارک سے بوقت درس سن کر کچھ تقریریں اور یادداشتیں جمع کی ہوئی کاپی کسی طالب علم نے چرالی۔ آپ کو بہت رنج

ہوا کوئی صورت دستیاب ہونے کی نظر نہ آئی۔ اسی غم میں ایک روز
مدرسہ بھی نہ گئے اور حاضر درس نہ ہوئے۔ استاذ شفیق کو خبر ہوئی تو عصر
کے بعد تسلی دینے کے لیے مکان پر تشریف لا کر دریافت کر کے
افسوس ظاہر فرمایا۔ صبر دلایا اور دریافت فرمایا کہ ''کیا تمہاری ہی لکھی
ہوئی تھی؟'' آپ نے عرض کیا جی حضرت میں نے ہی لکھی تھی۔ فرمایا
''پھر کیا غم ہے، پھر لکھ لینا اور عجب نہیں کہ مل جائے۔''

اگلے روز بخاری کے سبق کے بعد سب طلباء کو خطاب کر کے نہایت جوش سے فرمایا:
''دیکھو! ہمارے سید کی تقریر جس نے لی ہو، دے دو۔ ان کو بہت رنج ہے اگر نہیں دے گا تو چاہے ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو جائے۔ لیکن علم سے ہمیشہ محروم رہے گا۔''

یہ سن کر سب طلباء دم بخود رہ گئے اور تین چار روز کے بعد چور نے حسن تدبیر سے وہ تقریر رکھ دی۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے لی اور کیسے واپس ہوئی۔

۱۳۲۰ھ میں میاں صاحبؒ نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی۔ بعد فراغت حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا محمد احمدؒ نے علاوہ اس سند کے جو سب طلباء فارغین کو دی جاتی ہے ایک خصوصی تحریر بھی آپ کو مرحمت فرمائی جو یہ ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً و مصلیاً، اما بعد!
مولوی سید اصغر حسین ولد سید محمد حسن صاحب مرحوم ساکن دیوبند ضلع
سہارنپور اس مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند میں ابتدائے ۱۳۱۰ھ میں
داخل ہوئے اور ۱۳۲۰ھ تک نہایت محنت اور شوق سے تحصیل علوم
میں مشغول رہے۔ اس مدت میں مدرسہ ہٰذا کے سلسلہ نصاب کی تمام
کتب درسیہ من اولہ الی آخرہ اچھی طرح پڑھیں اور مدرسے کے
مدرسین و منتظمین کی ہمیشہ ان پر شفقت رہی اور سب ان سے خوش

رہے۔ یہ چند کلمات بطور سند کے تحریر کئے جاتے ہیں اور ان کے لیے
توفیق خیر کی دعا کی جاتی ہے"

العبد العبد
محمود حسن احمد (مہتمم مدرسہ عربیہ) یکم ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

میاں صاحبؒ نے کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ وہ اپنے والد کے ماموں سید محمد عبداللہ شاہ عرف منا شاہ دیوبندیؒ سے بچپن ہی سے روحانی ربط رکھتے تھے۔ سید محمد عبداللہ شاہؒ اپنے اس نوعمر فیض یافتہ کو کبھی "میم شاہ" اور کبھی "فرخ سیر" کہتے تھے۔ ۱۳۱۰ھ میں سید عبداللہ شاہؒ کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے حج و زیارت کا شرف حاصل کیا اور شیخ المشائخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے "مکہ معظمہ" میں ملاقات کی اور اپنے بھانجے سید محمد حسن صاحبؒ اور بھانجے کے دو لڑکوں خورشید حسن صاحب میاں اصغر حسین صاحب اور سید محمد حسن صاحب کے بھانجے سید محمد قاسم صاحب کے لیے زبانی و تحریری بیعت (عثمانی) مع الاجازت حاصل کر کے لائے۔ اس تحریر کی نقل یہ ہے:

"بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید محمد عبداللہ شاہ صاحب
بیعت مع الاجازت برائے عزیزان شاہ محمد حسن و سید قاسم علی و
خورشید حسن و فرخ سیر[1] مقبول و منظور کردہ دعائے خیر ادا کردہ شدہ۔

ترجمہ: بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید محمد عبداللہ شاہ صاحب
بیعت مع الاجازت عزیزان شاہ محمد حسن، سید قاسم علی، خورشید حسن
اور فرخ سیر کے واسطے قبول و منظور کر کے دعائے خیر ادا کی گئی۔"

سید عبداللہ شاہؒ نے وطن واپس ہو کر حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ تحریری اجازت نامہ لا کر دیا اور اپنی بیعت و اجازت کے شرف سے بھی میاں صاحبؒ کو مشرف کیا۔ چنانچہ

[1] پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سید عبداللہ شاہؒ میاں صاحبؒ کو فرخ سیر کہا کرتے تھے۔ (فریدی)

حضرت میاں صاحبؒ برابر آپ کی خدمت وصحبت میں رہ کر فیوض وکمالات باطنی سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحبؒ نے انتقال سے ایک روز قبل حضرت میاں صاحبؒ کو فرخ سیر کے لقب سے پکار کر اپنے سینے سے لپٹالیا اور فرمایا:

"اصغر تیرے سینہ سے ہزاروں فیض یاب ہوں گے اور مخلوق خدا کو تجھ سے فیض پہنچے گا۔"

ملازمت جونپور: فراغت کے بعد غالباً ایک سال چند ماہ دارالعلوم کا کچھ دفتری کام بطور اُجرت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ نے "مدرسہ مسجد اٹالہ" کی معلمی کے لیے جونپور روانہ کیا۔ وہاں ۲۰؍روپئے ماہوار پر تقرر ہوا۔ ۱۳؍ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ کو دیوبند سے جونپور پہنچ گئے اور ۱۶؍ذی قعدہ کو اسباق مدرسہ شروع کرادیئے۔ ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۷ھ تک سات سال برابر اہل جونپور کو اپنے علوم ظاہری وباطنی کے فیوض سے مستفیض فرماتے رہے۔ اس ہفت سالہ قیام میں شہر جونپور اور گردونواح کے لوگ آپ کے اوصاف حسنہ، اخلاق جمیلہ اور کمالاتِ علمیہ کی وجہ سے بہت گرویدہ اور معتقد ہوگئے تھے۔ درس وتدریس، قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر ومراقبہ کی مصروفیتوں سے جو وقت ملتا اس میں تصنیف وتالیف فرماتے تھے۔

آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں: ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے رسالہ "القاسم" جاری کرنے کی تجویز ہوچکی تھی۔ اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے آپ کو بلانے کی سعی ذمہ داران دارالعلوم کی طرف سے اسی وقت سے کی جارہی تھی اور برابر سلسلہ خط وکتابت جاری تھا۔ لیکن حضرت میاں صاحبؒ اپنے کچھ عذرات پیش کرتے رہے۔ بالآخر حضرت شیخ الہندؒ حضرت حافظ محمد احمدؒ مہتمم مدرسہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نائب مہتمم مدرسہ اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی ایک متفقہ تحریر آپ کو بلانے کے لیے جونپور

پہنچی۔اس کے جواب میں میاں صاحبؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کو لکھا کہ اگر حکم ہے تو بسر و چشم منظور، اگر تخیر ہے تو مجھے یہاں پر بہت آزادی ہے۔ علمی مشغلہ کے علاوہ تصنیف و تالیف، اوراد و وظائف کا بھی موقع مل جاتا ہے۔اس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے سعادت مند شاگرد رشید کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا وہ بے تکلف طرز مکاتبت کا بہترین نمونہ اور ان کی حکمت عملی اور دور اندیشی کا آئینہ دار ہے۔ یہ مکتوب گرامی ''سوانح حیاتِ میاں صاحب'' سے نقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

''برادر مکرم! بارک اللہ فیکم و سلم۔بندہ محمود تسلیمات مسنونہ کے بعد ملتمس ہے۔گرامی نامہ پہنچا بندہ کو مادۂ سوداوی نے ستا رکھا ہے۔ایسی حالت میں اپنی رائے پر رہا سہا اعتماد بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ جیسے مخلص مکرم سے اپنا خیال عرض کرنے میں تکلف بھی بیجا ہے۔خط جو آپ کے پاس گیا تھا اس میں یہ ضعیف بھی واقعی شریک تھا۔آپ کا خیال درست ہے۔اول اپنا پریشان خیال آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ پھر استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ عالم شہود سے دور برزخ کے قریب ہو رہا ہوں۔اتنا فکر ضرور ہے کہ استاذ[1] سے بفضل اللہ اگر مشافہت کی نوبت آ گئی اور پوچھا کہو مدرسہ کو کس پر چھوڑا؟ اور کس حالت میں ہے؟ تو اس کا جواب ایسا دے سکوں کہ پسند خاطر حضرت ہو۔اس کی تدبیر کوئی نہیں مگر یہ کہ اپنے مخلصین صلحاء لائق کے نام گنوا دوں۔سو آپ کی طرف بھی بچند وجوہ میرا خیال ضرور جاتا ہے۔اور چاہتا ہوں کہ آپ جیسے چند ''اصغر'' مگر حقیقت میں مفید اور ''اکبر'' کسی بہانے سے

---

[1] قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ۔(فریدی)

احاطۂ مدرسہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔ آپ نے جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں باللہ العظیم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ آپ مشغلہ تدریس سے یکسو ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ مشغلہ تدریس حالتِ موجودہ سے زائد نصیب ہو۔ میں تو آپ کے بلانے ہی کے لیے تدبیر موجودہ کو دراصل پسند کرتا ہوں۔ یہ ہرگز مطلب نہیں کہ سید صاحب مشغلہ علمی سے یکسو ہو کر رسالہ بازی میں عمر صرف کریں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سر دست رسالہ کی گاڑی سنبھالنے کو کوئی لائق معتمد علیہ شخص ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد رسالہ کے لیے ان شاء اللہ بہت پیدا ہو جائیں گے۔ اس وقت رسالہ کی ابتداء اگر ہماری طرز و وضع اور خیال کے خلاف پڑ گئی تو اندیشہ کی بات ہے۔ اس وجہ سے بے شک یہ مستحسن نظر آیا کہ مکرم سید کو رسالدار بالفعل بنا دیا جاوے۔ اس لیے اپنا خیال عرض کرتا ہوں حکم ہرگز نہیں۔

آپ کو پسند اور بے تکلف گوارا ہو تو سبحان اللہ ورنہ جو آپ کو منظور ہو، ہم کو منظور ہوگا اور آپ سے بخدا کوئی خلجان یا ملال کا واہمہ بھی ان شاء اللہ نہ ہوگا۔ وہ (خیال) یہ ہے کہ آپ بالکل اپنے مدرسہ کے احاطہ کے اندر اللہ کا نام لے کر آ جائیں اور آہستہ آہستہ کام کیے جائیں۔ ان شاء اللہ آپ کے شغل تدریس کی ہر طرح سے کوشش کی جائے گی کہ قصور نہ آوے اور یہ ''شیخ چلی'' کا خیال اگر اعتماد کے قابل نہ ہو تو دو ماہ سے لے کر چھ ماہ تک کی رخصت لے کر تشریف لا کر رسالہ کو ہمارے کہنے کے مطابق جاری فرما جائیں۔ اس کے بعد جو صورت پسند آپ فرمائیں اس کے کرنے میں ہم آپ کی موافقت کو بلکہ

متابعت خوشی کے ساتھ کرنے کو موجود ہیں۔ان چند دنوں میں جو آپ کو رسالہ کے متعلق تحریرات کی نوبت آئے گی۔اس کا حساب کیا جائے گا کہ اتنی مدت کی تالیفات جونپور سے زائد ہوں گی یا کم،سو یہ میرا خبط ہے جو خیال کے قابل نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہاں آپ کس عنوان سے آئیں گے۔ غالباً وہ آزادی اور استقلال جو جونپور میں ہے آپ کو بوجوہ مختلفہ میسر نہ ہوگا۔مگر کیا کروں اپنے خیال خام کی وجہ سے جیسا خود مقید ہوں اپنے لائق مخلصین کو بھی مقید کرنے کا شوق ہوتا ہے۔آپ بالکل مدرسہ اور خدام مدرسہ کے خیر اندیش اور بہی خواہ ہیں اور ہم خدام مدرسہ بالکل آپ کے خیر طلب اور دعا گو ہیں۔خط آپ ہی ختم ہو گیا کاغذ ہی نہیں رہا۔والسلام مع الاکرام فقط[1]‘‘

اس مکتوب گرامی کے پہنچے پر آپ نے جونپور کی ملازمت چھوڑنے کا قصد کر لیا۔ہر چند اہل شہر اور باشندگانِ نواح شہر نے بالحاح وزاری کہا کہ آپ یہاں سے نہ جائیں اگر تنخواہ بڑھوانا چاہیں تو تنخواہ بڑھوا دی جائے۔اگر اسباق کم کرانے چاہیں تو وہ کم کرا دیئے جائیں۔مگر آپ نے یہی کہا کہ استاذ محترم کا حکم واجب التعمیل ہے۔

آپ کا دارالعلوم سے تعلق اور رسالہ ’’القاسم‘‘ کا اجراء: ۱۳۲۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔آپ کے متعلق تصنیف وتالیف اور جملہ انتظام اجرائے رسالہ ’’القاسم‘‘ کر دیا گیا۔جسے آپ نے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ایک ہی دو سال میں ’’القاسم‘‘ کی اشاعت خیال سے زائد ترقی پذیر ہوگئی۔آپ کے حسن انتظام سے ’’القاسم‘‘ بیش بہا مضامین سے مزین ہو کر ماہ بماہ نکلتا رہا اور اس سے خواص وعوام فیض یاب ہوتے رہے۔

---

[1] سوانح حیات‘‘ میں حضرت شیخ الہندؒ کے تین اور مکتوب بھی جومیاں صاحبؒ کے نام ہیں درج ہیں۔(فریدی)

درس حدیث: مؤلف ''سوانح حیات میاں صاحبؒ'' تحریر فرماتے ہیں: ''جب رسالہ کے اجراء اور قیام کا انتظام ہر اعتبار سے مکمل ہوگیا تو حضرت میاں صاحبؒ کی خواہش کے موافق ذمہ دارانِ دارالعلوم نے رسالہ کی ادارت و انتظام کو دوسرے صاحب کے سپرد کرکے آپ کے متعلق صرف درس حدیث وتفسیر کردیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مدرسی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوکر اعلیٰ اساتذہ کی صف میں رہ کرتا آخر حیات آپ ہزاروں تشنگانِ علوم کی کماحقہ سیرابی فرماتے رہے۔ درس میں کبھی غیر متعلق اور خارجی باتوں کا ذکر نہ فرماتے بلکہ مختصر، جامع اور بہت مفید جملوں میں مسئلہ کی تحقیق اور مطلب کا حل فرما دیتے تھے..... حق تعالیٰ نے آپ کی تقریر میں یہ اثر عطا فرمایا تھا کہ بات فوراً دل نشیں ہوجاتی تھی۔''

پابندی اسباق: مؤلف ''سوانح حیات میاں صاحبؒ'' نے اس بارے میں جو تحریر فرمایا ہے میں اس کو بھی یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

دارالعلوم باوجود کہ آپ کے مکان سے فاصلہ پر واقع ہے لیکن کیسی ہی شدید سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا دھوپ، تکلیف برداشت کرکے برابر مدرسہ تشریف لے جاتے اور حتی الامکان درس ناغہ نہ فرماتے۔ حتی کہ ۱۳۵۴ھ میں آپ کی جوان عمر صاحبزادی کا انتقال قبیل صبح صادق ہوگیا تو نہایت صبر وشکر کے ساتھ آپ نے ''اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون'' پڑھا اور بعد نماز فجر اپنے فرزندوں کو تجہیز وتکفین کے متعلق ہدایت فرما کر خود مدرسہ تشریف لے گئے اور حسب دستور وقت مقررہ میں سبق پڑھایا اور سبق کے بعد درسگاہ میں طلباء سے مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعا کرائی۔ تب مکان پر تشریف لائے تو جنازہ قریب تیار ہی تھا۔ اور ایک مجمع اقرباء، اہل محلہ اور اہل شہر کا موجود تھا۔ تھوڑی دیر میں مدرسہ سے جانشین شیخ الہند حضرت العلامہ مولانا سید حسین احمد مدنی مدظلہ صدر مدرس اور حضرت العلامہ مولانا الحاج قاری محمد طیب مدظلہ مہتمم مدرسہ و دیگر حضرات مدرسین وملازمین برائے تعزیت تشریف لائے... آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مدظلہ سے نمازِ جنازہ

پڑھوائی اور بعد نماز کے جب ان (دونوں) حضرات نے قصد معیت جنازہ کیا تو آپ نے .....فرمایا کہ آپ حضرات مدرسہ تشریف لے جائیں اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں۔ جنازہ کی تدفین کے لیے اقرباء اور اہل شہر کی کافی جماعت ہے۔ اگر چہ ان حضرات نے انکار بھی بہت کیا لیکن باصرار و تقاضا ان کو واپس کر کے جنازہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اللہ اللہ کس درجہ محتاط، زاہد، متقی، صابر و شاکر، راضی برضائے مولا تھے۔

آپ نے ۳۵ رسال دارالعلوم میں تعلیم دی اور نشر و اشاعت علم دین میں مصروف رہے۔

سفر حج: آپ نے اپنی حیات مبارک میں تین حج ادا فرمائے۔ سب سے پہلا حج ۱۳۳۰ھ میں، دوسرا ۱۳۴۵ھ اور تیسرا ۱۳۵۰ھ میں ادا کیا۔

تصنیف و تالیف: بقول مؤلف ''سوانح حیات میاں صاحبؒ'' آپ نے بزمانۂ قیام جونپور تقریباً سولہ رسترہ کتابیں تالیف کیں اور دارالعلوم سے تعلق ہو جانے کے بعد درس و تدریس، ذکر و مراقبہ، اوراد و وظائف اور تلاوت کے ساتھ ساتھ اٹھارہ انیس کتابیں تالیف فرمائیں۔ یہ سب کتابیں نہایت معتبر، عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہیں اور ہر مبتدی اور منتہی کے لیے یکساں نفع بخش ہیں۔ اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہندؒ کی سوانح عمری بھی آپ نے نہایت مؤثر اور دل نشیں الفاظ میں تحریر فرمائی ہے۔ فرائض کی مشہور درسی کتاب ''سراجی'' کا حاشیہ بھی عربی زبان میں نہایت عمدہ اور بہترین لکھا جو مدارس اسلامیہ اور اہل علم میں مقبول ہوا۔

تعویذ و دعا: آپ کے والد ماجد شاہ محمد حسنؒ اور آپ کے والد کے ماموں سید عبداللہ شاہ عرف منا شاہؒ سے (جو آپ کے مرشد بھی تھے) سلسلہ عملیات چلا آ رہا تھا آپ نے بھی ان کے بعد اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ عصر کے بعد حضرت میاں صاحبؒ اہل حاجت کو تعویذات دیتے تھے۔ دیوبند، نواح دیوبند اور دور دور سے لوگ آپ کے پاس برائے تعویذ و دعا آتے

تھے اور بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب ہوتے تھے۔ مؤلف ''سوانح حیات میاں صاحبؒ'' اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''آپ کے تعویذات تیر بہدف تھے... بلاد وامصار ومواضعات، کوئی جگہ ایسی نہ ہوگی جہاں پر آپ کی شہرت نہ ہو۔ طالبین اور اصحاب حاجت اس کثرت سے رجوع ہونے لگے کہ کسی وقت آپ کو فرصت نہ دیتے اور آپ کے ذکر ووظائف میں رخنہ انداز ہوتے۔ اس لیے آپ نے عصر سے مغرب تک تعویذات کی تقسیم کے لیے اپنا قیمتی وقت مقرر ومتعین فرمادیا اور علاوہ (اس) مخصوص وقت کے اندر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ اگر کبھی طبیعت ناساز ہوئی اور اندر آنے کی عام اجازت دے دی تو بجائے مزاج پرسی کے لوگوں نے تعویذوں کی فرمائش شروع کردی۔ ایسی حالت میں بھی آپ اہل حاجت کی ضرورت کو پورا فرماتے اور باوجود علالت کے تعویذات مرحمت فرماتے تھے.... بہت سے آسیب زدہ اور دیوانے زنجیروں میں باندھ کر آپ کے در دولت پر لائے جاتے اور شفایاب ہوکر واپس جاتے۔ روزانہ ایک ہجوم اصحاب حوائج کا آپ کے مکان پر رہتا... بعض محض زیارت ودعاء کے طالب ہوتے، ان کو دعا اور زیارت سے سرفراز فرماتے۔''

عادات وخصائل: حضرت میاں صاحبؒ کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کے اخلاق وعادات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کو ایسی فراست عطا فرمائی تھی کہ ایک ہی نظر میں کھرے کھوٹے کی شناخت کر لیتے تھے۔ آپ اپنے والد ماجد مرحوم کے شاگردوں پر جن میں دیوبند کے ہندو، مسلم کثیر التعداد لوگ تھے نہایت شفقت وعنایت فرماتے تھے۔ صدقہ وخیرات آپ اس طرح پر فرماتے تھے کہ کسی متنفس کو بھی اس کا علم نہ ہوتا تھا۔ محلّہ کے یتیم بچے، غریب، مفلس، بوڑھے... جمعہ کو مختلف

اوقات میں آتے تھے اور ہر ایک کو حسب ضرورت نہایت مخفی طور پر
عطا فرماتے تھے۔ مساکین طلباء دارالعلوم کی ہر طرح سے امداد و
اعانت فرماتے تھے۔ اخفاء کا لحاظ اس قدر فرماتے کہ بعض اوقات
لینے والے کو بھی خبر نہ ہوتی کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔

چنانچہ ایک شخص بوجہ غربت و ناداری اپنی جوان لڑکی کی شادی کے
لیے سخت پریشان تھا اور بوجہ شرم و بدنامی کسی سے سوال بھی نہیں کر سکتا
تھا۔ آپ سے اس نے دعا کے واسطے عرض کیا۔ آپ نے کچھ کپڑے
اور کچھ نقدی ایک اجنبی شخص کے ہاتھ رات کے وقت اس کے مکان پر
بھجوادیئے اور یہ فرمادیا کہ یہ سامان دے کر فوراً واپس ہوجانا۔ اس کے
سوال کا کوئی جواب نہ دینا۔ غرض اس اجنبی شخص نے ایسا ہی کیا۔ کئی روز
تک وہ غریب لوگوں سے دریافت کرتا رہا کہ کس نے ایسے وقت میں
میری مدد کی؟ جب معلوم نہ کر سکا تو حضرت میاں صاحبؒ کے سامنے
اپنا واقعہ بیان کیا کہ نہ معلوم کوئی فرشتہ تھا کہ رات کو آیا اور مجھے کپڑے کا
تھان اور کچھ روپیہ دے کر فوراً واپس ہوگیا۔ آپ نے فرمایا میاں! آپ
کو اس کے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ کون دے گیا اور کس نے
بھیجے؟ خدا تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی اپنے خرچ میں لاؤ۔''

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ہر شخص سے اس کے درجہ اور لیاقت کے موافق تعلق و
گفتگو اور معاملہ فرماتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے دل میں یہی سمجھتا تھا کہ میرے
ساتھ بہت خاص تعلق ہے۔ بالخصوص اہل علم کا بہت زیادہ احترام و ادب ملحوظ فرماتے تھے۔
چنانچہ ایک مرتبہ ایک اہل علم زیارت و ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ مونڈھے پر بیٹھ گئے
اور جیسا کہ آج کل عام عادت ہے کہ ایک پاؤں اُٹھا کر گھٹنے پر رکھ لیتے ہیں اسی طرح بیٹھ

گئے۔ چونکہ یہ ہئیت تواضع کے بھی خلاف ہے اور ادب کے بھی۔ اس لیے اگر میاں صاحبؒ کی مجلس میں کوئی ایسا کرتا تو فوراً متنبہ فرمادیا کرتے تھے لیکن ان کے علم کا احترام پیش نظر تھا۔ کچھ فرمایا نہیں پھر کئی مہینے بعد جب وہ دیوبند آئے اور آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے باہر سے اجازت طلب کی۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام دیکھئے، فرمایا اجازت ہے بشرطیکہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر نہ بیٹھیں۔ ان کو اس سے پہلے کسی نے متنبہ نہ کیا تھا اور نہ خود ہی اس کا احساس ہوا تھا۔ اب اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے اور جب سامنے آئے تو شرمندگی کے آثار ان پر نمایاں تھے۔ پھر تو حضرت میاں صاحبؒ نے ان سے ایسی بے تکلفی سے گفتگو فرمائی جس سے ان کے قلب سے بالکل یہ اثر جاتا رہا۔

حضرت میاں صاحبؒ کے اوصاف حسنہ میں سے تھا کہ ہر موسم کے پھل اور گنے کے موسم میں اس کی کھیر پکوا کر اہل محلہ، طلباء مساکین اور غرباء کو تقسیم فرماتے اور کھلاتے تھے۔ بالخصوص آموں کی فصل میں بہت زیادہ مقدار خرید کر طلباء کی دعوت فرماتے تھے۔

ارشاد و ہدایت: آپ کسی کے اندر طلب صادق دیکھتے تو اس کو بیعت فرمالیتے تھے۔ چنانچہ بہت سے اشخاص کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ بنگال، آسام اور کوئی صوبہ اور ضلع آپ کے مریدوں سے خالی نہیں۔ سورت کے علاقہ میں کثرت سے آپ کے مرید ہیں۔ آپ ہر سال ''سورت'' کے علاقہ میں تشریف لے جاتے تھے اور ایک دو ماہ قیام بھی فرماتے تھے۔ پچیس سال متواتر آپ اس علاقہ میں تشریف لے جاتے رہے اور لاہور بھی آٹھ نو سال تک تشریف لے گئے۔ پروفیسر کریم بخش ایم۔اے۔ کے یہاں آپ کا قیام رہتا تھا۔

پروفیسر صاحب کا آپ سے خصوصی تعلق تھا۔ اس کے علاوہ رنگون، کلکتہ، چاٹ گام، نواکھالی وغیرہ کے لوگوں کو بھی آپ نے اپنے حلقۂ بیعت میں شامل کیا۔

سلسلۂ مرض وفات: شوال ۱۳۶۲ھ سے ''راندیر'' میں سلسلہ مرض شروع ہو گیا تھا۔ دہلی پہنچ کر علاج کرایا پھر دیوبند تشریف لائے۔ گرمی کے زمانہ میں مسوری، دہرہ دون،

شملہ، کسولی اور دیگر مختلف مقامات کے آخری سفر فرما کر ۲۲/رمضان ۱۳۶۳ھ واپس دیوبند تشریف لے آئے۔ ۲۶/رمضان کو بارادہ راندیر دیوبند سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے۔ مرض کی تکلیف بڑھ گئی۔ اس لیے عید دہلی ہی میں کی۔ اس کے بعد راندیر تشریف لے گئے۔ راندیر میں علاج جاری رہا یہاں سے بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں یونانی اور ڈاکٹری علاج کیا۔ اسی حالت میں پونہ، کاٹھیاواڑ وغیرہ تشریف لے گئے۔ پھر راندیر اپنی جائے قیام پر تشریف لے آئے۔ سیٹھ اسماعیل غلام حسین صاحب سورتی کے مکان پر قیام تھا۔ یہاں پر ہر طرح علاج معالجہ کیا گیا۔ بالآخر ۲۲/محرم ۱۳۶۴ھ موافق ۸/جنوری ۱۹۴۵ء میں راندیر میں بروز دوشنبہ بوقت ظہر اس دارِ فانی سے سفر فرما گئے۔

اپنی وفات سے دس پندرہ روز پہلے یہ بھی فرمایا کہ وطن کو واپسی کا ارادہ کرتا ہوں لیکن راندیر کی زمین نے میرے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ تین چار روز پہلے کئی شخصوں سے یہ بھی فرمایا کہ پیر کے دن تو چلنا ہی ہے۔

راندیر کے گرد و نواح میں آپ کی وفات کی خبر پھیل گئی۔ سورت کے گرد و نواح کے لوگ جمع ہو گئے اور شب کے دس بجے اس خزینۂ علم و عمل اور مجسم زہد و تقویٰ کو بحالت غریب الوطنی راندیر کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ۶۹/سال ۳/ماہ/چودہ یوم عمر[1] پائی۔

اولاد: آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ (۱) مولانا سید اختر حسین صاحب مرحوم سابق استاذ دارالعلوم دیوبند (۲) حاجی سید محمد بلال صاحب۔ دونوں صاحبزادوں کی اولاد موجود ہے۔ حاجی سید محمد بلال صاحب کے صاحبزادے مولانا سید خلیل الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔

---

[1] حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے آپ کا مرثیہ لکھا ہے جو ۵۴/اشعار پر مشتمل ہے اس کے آخر کے دو شعر یہ ہیں:

بحر سال وصال فکر جو کی ☆ آ گیا دل میں خود بخود اک دم

خلد جنت ہے اب مقام ان کا ☆ یہی تاریخ ہے نہ بیش نہ کم

۶۴ ۱۳ھ

(فریدی)

اب آخر میں حضرت میاں صاحبؒ کے چند ملفوظات درج کئے جاتے ہیں:

ایک مجلس میں بسلسلۂ کلام آیۂ کریمہ (مَاعِندَکُمْ یَنفَدُوَمَا عِندَاللّٰہِ بَاقٍ) پڑھی۔ (ترجمہ: جو چیزیں تمہارے پاس ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں) اور فرمایا کہ عام طور پر لوگ اس کو مال و متاع اور دولت و سامان پر مقصود سمجھتے ہیں لیکن الفاظ قرآن کے عام ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کل احوال و اوصاف اور حوادث و عوارض کا یہی حال ہے کہ سب گذشتنی اور گذاشتنی اور سریع الزوال ہیں۔ جیسے ہمارے مال و متاع کو کوئی قرار و قیام نہیں اسی طرح دوستی، دشمنی، رنج و خوشی، غصہ و رضا جو کچھ دنیا کی لیے ہو سب کا یہی حال ہے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ اس لیے نہ کسی کی دوستی اور مہربانی پر پورا اعتماد و اطمینان چاہئے، نہ کسی کی دشمنی اور ناراضی کا بہت زیادہ اثر لینا چاہئے، نہ دنیا کی کوئی راحت و خوشی اس قابل ہے کہ اس میں انسان مست ہو جائے اور نہ کوئی بڑے سے بڑا غم اس قابل کہ اس میں مایوس و بے دل ہو جائے کہ یہ سب خود ختم ہونے والی چیزیں ہیں۔

ایک مجلس میں فرمایا: دنیا ''وَمَا فِیْھَا'' فانی ہیں، اصل مقصود ہے حیاتِ اخروی اور اس کا مدار ہے قربِ خداوندی پر۔ جس قدر قربِ خداوندی ہوگا اسی قدر حیات اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور قرب حاصل ہوتا ہے اعلیٰ خصائل حاصل کرنے سے اور رذائل و اخلاقِ ذمیمہ کو دور کرنے سے تو حیاتِ آخرت اور قرب خداوندی اسی درجہ کا حاصل ہوگا جس درجہ آدمی اوصافِ ذمیمہ سے پاک ہوگا اور جس قدر اس میں نقصان ہوگا اسی قدر حیاتِ آخرت جس کی جا بجا بشارت دی گئی ہے اور قرآن مجید میں اس کی بھلائی کو بیان کیا گیا ہے، ضعیف و ناپائیدار ہوگی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ: آج گھر سے مدرسہ جاتے ہوئے ایک تماشہ دیکھا کہ محلہ ''کوٹلہ'' میں کنویں کے قریب کچھ لڑکیاں جمع تھیں جو جنگل سے گوبر جمع کر کے لائی تھیں اور

یہاں بیٹھ کر اس کی تقسیم میں اس طرح مشغول تھیں کہ جیسے کسی جائداد کی تقسیم کر رہی ہوں۔ ذرا ذرا سی مقدار پر لڑ رہی تھیں، ہم بھی ان کا تماشہ دیکھنے کو ایک دو منٹ کھڑے ہو گئے تو معاً حق تعالیٰ نے ایک بڑی حکمت وعبرت قلب میں ڈالی کہ ان لڑکیوں کے لڑنے کو ہم بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے اور ہنستے ہیں کہ یہ کس نجاست وغلاظت پر لڑ رہی ہیں لیکن اگر حق تعالیٰ ہماری آنکھیں کھول دیں اور صحیح بصیرت عطا فرما دیں تو یقین ہو جائے کہ ہم جس بڑی سے بڑی دولت یا عزت ووجاہت کے لیے باہم برسرپیکار ہیں خاندانوں اور نسلوں میں جنگ وجدل کے سلسلے چلتے ہیں۔ قتل وغارت تک کی نوبت آجاتی ہے ان سب چیزوں کی حقیقت بھی اس گوبر سے زیادہ نہیں اور اللہ والوں کی نظر میں ہماری لڑائی ان لڑکیوں کی لڑائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ایک روز بسلسلہ کلام فرمایا کہ: دارومدار ساری ولایت وبزرگی کا اتباع ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہؓ کا۔ جس قدر تقویٰ اور خشیت اللہ کا جذبہ ہوتا ہے اسی قدر معرفت حق تعالیٰ پیدا ہوتی ہے اور جب مضمون اپنی عاجزی اور خاکساری کا دل میں جم جاتا ہے اور عظمت وجلال خداوندی پیش نظر ہوتی ہے تو تمام خیالات وتوہمات فاسدہ دل سے خود بخود نکل جاتے ہیں اور انعامات بے قیاس اس طرف سے طاری ہو جاتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: انسان کے سارے شبہات واشکالات کی بنیاد بندے اور حق تعالیٰ کے درمیان نسبت کا معلوم نہ ہونا ہے۔ یہ نسبت منکشف ہو جائے تو نہ عقیدہ کا کوئی اشکال باقی رہے نہ معاملہ کا۔

ایک مرتبہ فرمایا: زندگی مستعار راحت وآرام سے بسر ہو یا تنگی وافلاس سے۔ ہر حال میں شکرگزار رہنا چاہئے۔ دنیا کی کسی راحت وتکلیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ بہت جلد گزر جاتی ہے نہ یہاں کی راحت کو بقاء ہے نہ تکلیف کو۔

ارشاد فرمایا: بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اہل محلّہ کی خبر گیری کرتے تھے۔ بیکسوں،

محتاجوں کی ضروریات، سودا سلف لا دیتے تھے۔ ہم سے تو یہ بھی دشوار ہے کہ اپنے کام کو جائیں تو دوسرے کا کام بھی کر لادیں۔ یا کسی محتاج، بے کس، رانڈ بیوہ کا بازار کا کام کر دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑا ثواب مقرر فرمایا ہے۔ کسی کو راستہ بتلا دیا، کسی کا بوجھ اٹھوا دیا، یہ بھی صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی نہیں، صرف ضرورت ہے طلب صادق اور نیت خالص کی۔

پہلے لکھ چکا ہوں کہ میں شوال ۱۳۵۴ھ میں دورۂ حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم میں داخل ہوا۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ سے میاں صاحبؒ کے درس کو لکھنا شروع کیا۔ اس وقت ۱۲۸ صفحات ہو چکے تھے۔ ان صفحات کی احادیث پر جو کچھ میاں صاحبؒ نے فرمایا وہ قلمبند نہیں کیا جا سکا۔ باقی درس کی تقاریر بھی مکمل طور پر نہیں لکھ سکا۔ ۶ رشعبان ۱۳۵۵ھ کو ابوداؤد شریف ختم ہوئی۔ اس وقت تک یہ کام جاری رہا۔ درمیان میں کچھ عرصہ میاں صاحبؒ نے نہیں پڑھایا۔ یاد نہیں کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے یا کسی سفر کی وجہ سے۔

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے میاں صاحبؒ کی قائم مقامی میں پڑھایا۔ میں ان کی تقاریر نہ لکھ سکا اس وقت میاں صاحبؒ کے درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں دکھانی مقصود ہیں۔ ان کی تقریر اول تو خود ہی مختصر ہوتی تھی پھر میں بھی اس میں کچھ اختصار کر دیتا تھا۔ اسی مختصر در مختصر سے چند اقتباسات لیے گئے ہیں۔ اس سے مقصود ان کی طبیعت کے رنگ اور مخصوص طرزِ تقریر کا ظاہر کرنا ہے۔ علمی مضامین اور فقہی مباحث کو قصداً درج نہیں کیا گیا کیونکہ ایک محدود مقالہ کے اندر اس کی گنجائش نہ تھی۔

بہت دنوں سے یہ داعیہ پیدا ہو رہا تھا کہ میاں صاحبؒ پر کچھ لکھوں۔ اب معذوری کے عالم میں اس داعیہ کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ میاں صاحبؒ کو اور میرے اساتذۂ حدیث و تفسیر اور معلمین فقہ و عقائد کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور مجھے ان کے نقش قدم پر

چل کر اتباع شریعت وسنت کی پوری پوری توفیق بخشے۔آمین۔

میاں صاحبؒ نے ایک دفعہ درس ابوداؤد کے بعد احقر سے فرمایا تھا(یہ یاد نہ رہا کہ کس بات پر یا کس سوال پر فرمایا تھا) کہ ''مسلم شریف کی ''شرح نووی'' جو مسلم شریف کے ساتھ طبع کی گئی ہے اس کو ضرور پڑھنا چاہیے میرے یہاں ابوداؤد میں ناغہ ہو جائے۔'' حضرتؒ کا یہ قول بھی برابر یاد آتا رہتا ہے۔

ابوداؤد کے ''باب فی السلام'' کی پہلی حدیث کی اسناد میں ابواسحاق کے چھ شاگرد ہیں جن میں سے دو سفیان اور اسرائیل ہیں۔اس حدیث کے آخر میں امام ابوداؤدؒ نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اس حدیث کے الفاظ سفیان کے ہیں۔

پھر اس کے بعد فرمایا ''حدیث اسرائیل لم یفسرہ'' لم یفسرہ کی ضمیر کے متعلق میاں صاحبؒ نے تین صورتیں بیان کیں۔ان میں سے دو صورتیں یہ ہیں:

۱. ضمیر، حدیث کی طرف راجع ہو رہی ہے یعنی حدیث اسرائیل نے نہیں تفسیر کیا حدیث سفیان کو۔

۲. ضمیر سلام کی طرف راجع ہے یعنی حدیث سرائیل نے نہیں تفسیر کیا سلام کو۔

اس کے بعد میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ'' حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنیؒ نے جب ''بذل المجہود'' لکھنی شروع کی تو دارالعلوم دیوبند کے مدرسین (اساتذۂ حدیث) سے معلوم کیا کہ یہ ضمیر کس طرف پھرتی ہے۔اپنی اپنی تحقیق بیان کریں۔

باب صلوٰة الرجل التطوع فی بیته: (کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز نفل پڑھنا)

اس باب کے تحت جو حدیث ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحبؒ نے فرمایا ''گھر میں نفل نماز پڑھنا افضل ہے۔ مسجد میں جائز ہے۔ آج کل مسجد میں نفل پڑھنے کو ناجائز ثابت کرنے کے لیے رسالے لکھے جاتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ گھر میں بال بچوں میں جا کر گھر جائے گا یا اگر مکان مسجد سے دور ہے تو نفل پڑھنے سے پہلے ممکن ہے راستہ میں کوئی کام نکل آئے۔ اگر گھر مسجد سے بالکل قریب ہے، تو البتہ افضل یہ ہے کہ گھر میں نفل نماز پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول نوافل گھر ہی میں پڑھنے کا تھا، لیکن آپ نے مغرب کے بعد مسجد میں بھی نفل پڑھے ہیں۔ اس سے مسجد میں نفلی نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

باب فضل الجمعه: کے ذیل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے جس کو انھوں نے مرفوعاً بیان کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت جمعہ کے دن وقت جمعہ شروع ہوتے ہی باب مسجد پر آ کر بیٹھ جاتی ہے پھر اول ساعت میں آنے والے اور دوسری ساعت میں آنے والے نمازیوں کے نام وہ جماعت لکھتی ہے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحبؒ نے بطور خوش طبعی فرمایا: ''اگر کوئی شخص حاضری (طلبہ) کو بدعت کہے گا تو ہم یہاں سے حاضری کا ثبوت دیں گے۔''

باب الجمعه فی القریٰ: میں عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ کی روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ کعب بن مالکؓ جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو وہ اسعد بن زرارہؓ کے لیے دعائے رحمت کرتے تھے۔ دریافت کرنے پر حضرت کعبؓ نے فرمایا میں ان کے لیے دعائے رحمت اس لیے کرتا ہوں کہ انھوں نے ''ہزم النبیت'' میں (جو کہ مدینہ منورہ میں ایک جگہ ہے) ''حرۃ بنی بیاضہ'' کے اندر جو ''نقیع الخضمات'' میں واقع ہے ہم کو سب سے پہلے جمعہ پڑھایا تھا۔ الفاظ یہ ہیں ''لانه اول

من جمع في هزم النبيت من حرة بني بياضة في نقيع الخضمات ‘‘اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا: ’’ہزم النبیت‘‘ عام ہے۔اس میں سے ’’حرۃ بنی بیاضہ‘‘ خاص ہوا اور اس خاص میں سے ’’نقیع‘‘ خاص ہوا اور ایسا ہوا جیسا کہ ’’دیوبند‘‘ کہا جائے اس کے بعد ’’دارالعلوم‘‘ پھر اس کے بعد ’’نودرہ‘‘ کہا جائے۔

باب الرجل ينعس والامام يخطب: میں حدیث ذیل ہے:

’’عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول اذا نعس احدكم وهو في المجسد فليتحول عن مجلسه ذالك الى غيره‘‘ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کہ تم میں سے کسی شخص کو اونگھ آئے دراں حالیکہ وہ مسجد میں ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی جگہ تبدیل کردے)

اس کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحبؒ نے فرمایا ’’نیند حرکت ظاہری یا حرکت باطنی سے زائل ہو جاتی ہے۔حرکت ظاہری اٹھنا، چلنا، پھرنا، منہ پر پانی ڈالنا وغیرہ ہے اور تبدیل مقام بھی نیند کے دور کرنے کے لیے تجربہ کا علاج ہے۔حرکت باطنی کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص حافظ امام کی اقتداء میں تراویح پڑھ رہا ہے، جس وقت اس مقتدی کو نیند آئی سامع نے حافظ کو بتلایا (وہ سونے والا) مقتدی فوراً جاگ جائے گا اور نیند دور ہو جائے گی۔

باب الصلوٰة بعد الجمعه: کے تحت جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے جس سے عبداللہ بن عمرؓ کا بعد جمعہ دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھنا معلوم ہوتا ہے اس کی تشریح میں میاں صاحبؒ نے فرمایا:

’’حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب ’’مکہ معظمہ‘‘ میں ہوتے تھے تو جمعہ کے بعد دو رکعتیں کچھ دور چل کر پڑھتے تھے پھر اس جگہ سے ہٹ کر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔تو گویا بعد الجمعہ چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور یہ نمازیں مسجد حرام میں ہوتی تھیں۔اور جب ’’مدینہ منورہ‘‘ میں مقیم ہوتے تھے تو بعد الجمعہ گھر تشریف لے جا کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔(چار بھی اس کے

بعد گھر ہی میں پڑھتے ہوں گے)

امام ابوحنیفہ بعد الصلوٰۃ جمعہ چار رکعات پڑھنے کو فرماتے ہیں اور صاحبین چھ رکعتیں اور دونوں کا مذہب احادیث سے ہی مستنبط ہے۔اب چھ کی ترتیب میں تھوڑا سا اختلاف ہے، یا تو پہلے چار پڑھے اور دو بعد کو پڑھے اور حنفیہ کے نزدیک یہی صورت ہے۔لیکن اگر دو پہلے اور چار بعد کو پڑھے تو یہ بھی جائز ہے، حدیث سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے۔مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ والد ماجد حضرت شیخ الہندؒ پہلے دو بعد کو چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

باب ترک الاذان فی العید: کے ماتحت جو حدیث ابن عباسؓ ہے، اس میں ایک جملہ ہے ''فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عند دار کثیر بن الصلت فصلی ثم خطب'' (حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کثیر بن الصلت کے مکان کے قریب پھر نماز پڑھی، اس کے بعد خطبہ دیا۔)

اس کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحبؒ نے فرمایا ''عند دار کثیر بن الصلت'' سے مراد یہ ہے کہ اب جس جگہ دار کثیر بن الصلت ہے اس کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید ادا فرمایا کرتے تھے۔دار کثیر بن الصلت کے لفظ سے پتہ بتلانا مقصود ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ اب جس جگہ دار الحدیث ہے وہاں ہم تیرا کرتے تھے (اس جگہ پہلے تالاب تھا)

باب صلوٰۃ الخوف: شروع ہوا تو میاں صاحبؒ نے فرمایا ''جمہور کا مذہب ہے کہ صلوٰۃ الخوف اب بھی باقی ہے۔حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ نے ''کابل'' میں ۹۴ھ میں بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔امام ابو داؤدؒ نے تقریباً ۱۵ ارسورتیں صلوٰۃ الخوف کی نقل کی ہیں۔اتنی سورتیں کسی کتاب میں نہیں ہیں۔''

باب صلوٰۃ التسبیح: حضرت میاں صاحبؒ نے اس باب کی حدیث کا خلاصہ مطلب اس طرح بیان فرمایا ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے

ترکیب صلوٰۃ التسبیح بیان فرما کر فرمایا کہ اگر ہو سکے تو روزانہ ایک مرتبہ پڑھ لینا، یہ نہیں تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ، نہیں تو ایک سال میں ایک مرتبہ، ورنہ تمام عمر میں تو ایک دفعہ پڑھ ہی لینا۔

میاں صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ: مولوی کو وعظ میں اس نماز کی فضیلت اور ترکیب بتانے کا تو ثواب مل ہی جاتا ہے اگرچہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ مگر مولوی کو بھی ایک مرتبہ تمام عمر میں ضرور یہ نماز پڑھ لینی چاہئے۔"

باب ما یکره من ذکر الرجل ما یکون من اصابته اهله فقال هل تدرون ما مثل ذالک...الخ:

میاں صاحبؒ نے اس حدیث کا مطلب بیان کر کے فرمایا "صحاح ستہ" میں ایسی اڑتالیس کے قریب مثالیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یا ابن عباس یا ابن عباس "

یعنی تم سے ایک شخص حماقت کرتا ہے پھر میرے پاس آ کر یا ابن عباس یا ابن عباسؓ پکارتا ہے یعنی تین طلاقیں دے کر پھر دریافت کرتا ہے۔

میاں صاحبؒ نے فرمایا:

"لوگ کہتے ہیں مولوی بڑے بدخلق ہوتے ہیں ایسے موقع پر ڈانٹنا ہی پڑتا ہے۔ دیکھو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی غصہ کا اظہار کیا۔"

باب فی القافة: عن عائشةؓ قالت دخل علیّ رسول الله صلی الله علیه وسلم یوماً مسروراً فقال عائشةؓ الم تری ان مجزز المدلجی رای زیداً واسامة قد غطیا روسهما بقطیفة و بدت اقدامهما فقال ان هذه الاقدام بعضها من بعض حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے پاس تشریف لائے۔ دراں حالیکہ خوش تھے اور فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجزز المدلجی (قیافہ شناس) نے زید اور اسامہ کو اس حال میں دیکھا کہ دونوں کے سر چادر

سے ڈھکے ہوئے تھے اور پاؤں کھلے ہوئے تھے (اور) کہا کہ یہ قدم بعض بعض سے ہیں (یعنی یہ قدم باپ بیٹے کے ہیں) اس کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحبؒ نے فرمایا ''اس سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر..... وغیرہ کے اقوال پیش کرنا اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے واسطے مفید ہے اور یہ بھی فرمایا کہ کئی جگہ کے طالب علم اگر چادر اوڑھ کر لیٹ جائیں تو اتنا تو ہم بھی قیافے سے بتادیں گے کہ یہ اہل بنگال کے پاؤں ہیں۔

باب فی صوم الدهر تطوعاً: عن ابی قتادةؓ ان رجلاً اتی النبی صلی الله علیه و سلم فقال یا رسول الله کیف تصومُ فغضب رسول الله صلی الله علیه و سلم من قوله. حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ دریافت کرنا تھا کہ نفلی روزوں کے بارے میں حضور کا معمول کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے ناراض ہوئے۔

میاں صاحبؒ نے فرمایا: ناراضی اور غصہ کی وجہ اس کے سوال کا طرز وطریقہ تھا۔ اس شخص کو سوال اپنے روزہ کے بارے میں کرنا چاہئے تھا کہ میں کس طرح روزے رکھوں؟ نہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض خصائص کے مالک تھے۔ آپ کے اندر جو روحانی طاقت تھی وہ امت کے اندر کب ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت عبادت کی پیروی امت سے ہونی مشکل ہے۔

باب فی فضل القفل فی الغزو: عن عبدالله بن عمروؓ عن النبی صلی الله علیه و سلم قال قفلة کغزوة. عبداللہ بن عمروؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ (کسی خاص مصلحت دینیہ کے پیش نظر) غزوہ سے لوٹنا غزوہ کے مانند ہے۔

میاں صاحبؒ نے فرمایا: یہ صحاح ستہ میں سب سے چھوٹی حدیث ہے۔

باب فضل قتال الروم علی غیرهم من الامم: کے تحت یہ حدیث ہے

جاء ت امراة الی النبی صلی الله علیه و سلم یقال لهاام خلّاوهی متنقبةٌ.. الخ. (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی جس کا نام ام خلا تھا دراں حالیکہ وہ نقاب پوش تھی)

میاں صاحبؒ نے فرمایا: اس حدیث سے پردہ کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ ابوداؤد میں پندرہ روایتیں پردہ کی ثابت کرنے والی ہیں۔

باب فی الرمی: یقول (عقبة بن عامر الجهنیؓ) سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم وهو علی المنبر یقول واعدوالهم مااستطعتم من قوةٍالا ان القوة الرمی. الاان القوة الرمی الا ان القوة الرمی. (حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا درانحالیکہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ آپ نے آیت واعدوالهم مااستطعتم پڑھی پھر فرمایا اچھی طرح جان لو، قوت تیر اندازی ہے اس کو تین مرتبہ فرمایا۔

میاں صاحبؒ نے حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ تیراندازی بھی قوت میں سے ہے لیکن حصر نہیں ہے کہ تیراندازی ہی قوت ہے فی زمانہ ہوائی جہاز، موٹریں (راکٹ ٹینک وغیرہ) آلات واسلحہ جدیدہ بھی قوت میں سے ہوں گے۔

باب فی ما یستحب من الوان الخیل: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم علیکم بکل کمیت، اغرمحجل اواشقرا غر محجل اوادهم اغر محجل. اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ: ''ادهم اغر محجل'' سیاہ رنگ کا گھوڑا جو سفید پیشانی والا ہو اور اس کے پاؤں بھی سفید ہوں یہ آخری درجہ کا گھوڑا ہے، جیسے کہ چالیس نمبر امتحان میں آجاتے ہیں (تو تیسرے نمبر پر پاس ہو جاتا ہے) کمیت یعنی سرخی مائل بہ سپیدی گھوڑا جو اغر اور محجل بھی ہو نیز اشقر یعنی سرخ گھوڑا جو اغر محجل ہو، اول و دوم نمبر کے گھوڑے ہیں۔ میاں صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ: آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے گھوڑوں کی اچھائی از روئے تجربہ بیان فرمائی۔ نہ کہ ان کے سعد و نحس کے اعتبار سے۔

باب ما یومر به عن القیام علی الدواب و البهائم: مرّ رسول الله صلی الله علیه وسلم ببعیر قد لحق ظهره ببطنه قال اتقوا الله فی هذه البهائم المعجمة.... الخ. راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے ہوکر گزرے۔ وہ اتنا دبلا تھا کہ اس کی پیٹھ پیٹ سے لگی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ: ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔)

اس سے آگے بھی دو روایتیں ہیں ان سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت علی البہائم ظاہر ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ایک اونٹ کا واقعہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے جو ایک انصاری کا تھا۔ وہاں ایک اونٹ دیکھا جب اس (اونٹ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ رویا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اس کی کنپٹی پر دست مبارک پھیرا۔ پس وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری جوان نے کہا یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "تم اللہ سے اس چوپائے کے بارے میں نہیں ڈرتے ہو؟ جس کا اللہ نے تم کو مالک بنایا ہے۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا: "یہ اونٹ ہم سے تو اچھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کنپٹی پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔

باب فی التحریش بین البهائم: نهی رسول الله صلی الله علیه و سلم عن التحریش بین البهائم.

میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ "اس حدیث سے جملہ طیور و بہائم کی لڑائی کرانے کی نہی ثابت ہوتی ہے۔

پھر فرمایا: "مینڈھے بھی تو لڑائے جاتے ہیں۔ تم کو کہاں معلوم ہوگا؟ مطالعہ میں، تعلیم میں مصروف رہتے ہو۔ پھر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے، تمہیں ایسی باتیں معلوم نہیں۔

مرقات شرح مشکوٰۃ کے متعلق فرمایا۔ ہم جیسوں کے لیے بڑی مفید شرح ہے۔ اس میں حدیث سے مسائل بھی نکالے جاتے ہیں۔ کُشتی کے متعلق لکھا ہے کہ اگر ستر عورت کا خیال رکھ کر لڑی جائے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

باب فی کراھة تمنی لِقاءِ العدو: حدیث باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول درج ہے "**یاایھاالناس لا تتمنو الِقاءِ العدو و سلو الله عافیه...الخ**" (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! تم دشمن سے مڈبھیڑ کرنے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو) میاں صاحبؒ نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ مصائب کی دعائیں مانگنا کہ مجھے بخار آجائے یا میرا دشمن سے مقابلہ ہو جائے، اچھا نہیں۔ اگر دشمن وغیرہ سامنے آہی جائیں تو صبر و ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ آخر میں میاں صاحبؒ نے فرمایا دیکھو کتنی اچھی تعلیم ہے۔ چونکہ ایسی تمنا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمنا کرنے والے کو اپنے اوپر اعتماد ہے اور شریعت یہ نہیں چاہتی کہ انسان اپنی طاقت پر اعتماد کرے۔ خداوند کریم ہی پر اعتماد کرنا چاہیے۔

ابوداؤد ص ۳۵۴ کی حدیث اسامہ "**حتی وددتّ انّی لم اُسلم یومئذٍ**" کے بارے میں میاں صاحبؒ نے فرمایا:

"یہ اسامہ بن زیدؓ کا قول ہے۔ اس میں تمناء کفر نہیں ہے کیونکہ تمنائے کفر بھی کفر ہے۔ بلکہ حضرت اسامہ بن زیدؓ پر ایک حال طاری ہوا اور یہ بات خیال میں آئی کہ اسلام ماقبل کی برائیوں کو ختم کر دیتا ہے کیا اچھا ہوتا کہ میں آج اسلام لاتا اور ماقبل کے تمام گناہ نہ رہتے۔

ابوداؤد ص ۳۵۵ "**فلما خرج قمنا الیه**" (پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو ہم کھڑے ہوگئے) میاں صاحبؒ نے فرمایا:

''محفل میلاد میں قیام کرنے کی ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے۔ یہ ان کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اُٹھے تھے یا بغیر دیکھے؟ ظاہر ہے دیکھ کر اُٹھے تھے۔ معلوم ہوا کہ مجوزین قیام کا یہ دلیل پیش کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ ہاں! اگر آج بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا جائے تو کھڑا ہونا سر آنکھوں پر تو ایسی حالت میں کون منع کرتا ہے؟

باب فی التفریق بین السبی: قتل بالجماجم (امام ابوداؤدؒ میمونؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ جنگ جماجم میں شہید ہوئے (جماجم کوفہ کے پاس ایک موضع ہے)

ایک طالب علم نے جو طالقانی تھے۔ دریافت کیا کہ ''بالجماجم'' کے کیا معنی ہیں؟ اس پر میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ بالجماجم کے معنی بتاؤں یا جماجم کے؟ مطبع نولکشور میں ایک شخص بیضاوی لینے گیا۔ مطبع والوں نے ملازم سے کتاب لانے کے لیے کہا کہ بیضاوی لاؤ، اس نے ناواقفیت کی بنا پر کہا ''بالبیضاوی لاؤں یا بیضاوی'' یہ اس لیے پوچھا کہ المسمی بالبیضاوی لکھا ہوا ہوتا ہے۔

باب فی السریہ ترد علی اھل العسکر: اس باب کی روایت کا ترجمہ کرا کے میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ اسے اچھی طرح یاد کر لینا ورنہ آپ کا شاگرد پڑھاتے وقت پریشان کرے گا۔ کتاب الجہاد کے بعد کتاب الضحایا شروع ہونے پر میاں صاحبؒ نے فرمایا جہاد و ضحایا میں مناسبت یہ ہے کہ جہاد میں انسان اپنے آپ کو ذبح کراتا ہے اور ضحایا میں اس سے کم درجہ کی قربانی یعنی جانور کی قربانی کرتا ہے۔

باب فی التجسس: عن معاویةؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم یقول انک ان اتبعت عورات الناس افسدتھم او کدتؑ ان تفسدھم .. الخ حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کے عیوب کا تجسس کرو گے تو ان کو برباد کر دو گے۔ (ہرگز ایسا نہ کرنا)

میاں صاحبؒ نے فرمایا: حضرت معاویہؓ کو حکومت عطا ہوئی تو یہ حدیث ان کے کام آ گئی۔ وہ لوگوں کے پیچھے تلاش عیوب میں نہیں پھرا کرتے تھے۔

باب فی النهی عن سب الموتی: عن عائشةؓ قال رسول الله صلی الله علیه و سلم اذا مات صاحبکم...الخ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی ساتھی انتقال کر جائے تو تم اس کے لیے دعائے خیر کرو، اس کی غیبت اور برائی نہ کرو۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا اب تو بیچارہ مر گیا۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا تھا جس نے بدعتیں پھیلائی تھیں اس کا اعلان کرنا جائز ہے۔

باب فی الرجل و یقول لابن غیره یا بنیَّ: کسی دوسرے کے لڑکے کو یا بنی (اے میرے بیٹے) کہنا

عن انس ان النبی صلی الله علیه و سلم قال له یا بنیّ (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ان سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے)

میاں صاحبؒ نے فرمایا یہاں تو ایک نمونہ دکھلایا ہے بخاری شریف میں (بڑے کو چچا وغیرہ (مجازی طور پر) کہنا ثابت کیا گیا ہے۔

باب فی الرجل یقول فی خطبته، اما بعد: (خطبہ میں کسی شخص کا امابعد کہنا) عن زید ابن ارقمؓ ان النبی صلی الله علیه و سلم خطبهم فقال اما بعد (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں امابعد فرمایا)

میاں صاحبؒ نے فرمایا یہاں تو خطبہ میں امابعد کہنے کا ایک نمونہ ہے۔ بخاری میں گیارہ نمونے ہیں۔

باب فی صلوٰة العتمة: عن عائشةؓ قالت ما سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینسب احداً الا الی الدین. (حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی نسبت سوائے دین کے کسی اور چیز کی

طرف کی ہو)

میاں صاحبؒ نے فرمایا: یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی صاحب چودھری بھی ہیں اور مولوی بھی ہیں تو ان کو دین کی نسبت سے مولوی صاحب کہنا چاہئے۔ اسی طرح سے اگر کوئی دنیاوی عہدہ رکھتا ہے اور حافظ بھی ہے تو اس کو حافظ صاحب کہنا چاہئے۔

باب فی الرویاء: قوله صلی الله علیه وسلم رویاء المومن جزء من ستة واربعين جزءاً من النبوة (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے)

حدیث کی تشریح کرتے ہوئے میاں صاحبؒ نے فرمایا: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ رویاءِ صالحہ والا نبی ہو جائے گا۔ بلکہ رویائے صالحہ کمالاتِ نبوت میں سے ہے۔ اس کی مثال میاں صاحبؒ نے یہ بیان فرمائی کہ ایک شخص کسی فضول کام میں مشغول نہیں ہوتا تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے اندر طالب علمی کی سی ایک خصلت ہے۔ کیونکہ طالب علم کی خوبی یہی ہے کہ سوائے تعلیم کے کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ اب اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص طالب علم ہو گیا۔ دراں حالیکہ وہ شخص ایک عام آدمی ہے، طالب علم نہیں ہے۔

باب فی القیام: عن ابی سعید الخدریؓ ان اهل قرنطية لما نزلو اعلی حکم سعد ارسل اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء على حمار اقمر فقال نبی صلى الله على و سلم قوموا الى سيدكم... الخ (حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بنی قرنطیہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنانے پر راضی ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذؓ کو بلوایا۔ وہ حمارِ ابیض پر بیٹھ کر آئے (چونکہ وہ بیمار تھے اس لیے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ (اور ان کو بسہولت سواری سے اتار لو)

میاں صاحبؒ نے فرمایا: اول تو ہم ایسے قیام کے منکر نہیں اگر بڑا آدمی آ جائے تو

کھڑے ہو سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو قیام تعظیمی کا امر نہیں بلکہ آپ کا منشاء یہ تھا کہ اپنے سید کو (سواری سے) اتارنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ (حدیث میں ''قوموا الی سیدکم'' ہے ''قوموا السیدکم'' نہیں ہے)

۵؍شعبان المعظم کو ص ۶۷۶ پر پہنچ کر میاں صاحبؒ نے مولوی ظہور احمد اعظم گڑھی سے فرمایا کہ آگے کو مولوی عبد الاحد پڑھیں گے۔ چنانچہ مولانا عبد الاحدؒ ابن مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندیؒ نے آگے کو قرأت کی۔ چھ شعبان کو جمعہ کے دن ص ۷۰۰ سے آخر کتاب ص ۷۱۵ تک ابوداؤد کا درس ہوا۔ آخر کے تین باب کی میاں صاحبؒ نے بنفس نفیس قرأت فرمائی اور بروز جمعہ ۹؍ بجے سنن ابوداؤد ختم ہوئی پھر میاں صاحبؒ نے دعا فرمائی۔

مقالہ (۴)[۱]

مشائخ چشتیہؒ اور سماعِ مزامیر

بزرگانِ دین کے نام سے جو گمراہیاں ''اہل ہویٰ و ہوس'' نے پھیلائی ہیں ان میں سے ایک سماعِ مزامیر کا مسئلہ بھی ہے اور ہم نے بارہا حیرت کے ساتھ بعض اربابِ ہوس سے یہ سنا ہے کہ ''اکابر طریقت'' ہمیشہ سے اس کے قائل بلکہ عامل ہیں۔ پھر ان میں سے جن میں حیا کا کچھ عنصر باقی ہے وہ علی الاطلاق تمام مشائخ طریقت کے متعلق تو یہ نہیں کہتے اور گویا حضرات سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ کے متعلق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ''حرمت مزامیر'' کے قائل تھے۔ ہاں! مشائخ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم کے متعلق عام ''عشاقِ مزامیر'' کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ اس کے مجوز بلکہ اس پر عامل بھی رہے ہیں۔ اور گذشتہ صدی سے یہ ''صور'' کچھ اس قدر بلند آہنگی سے پھونکا جارہا ہے کہ بہت سے نیک بخت لوگ بھی اس فریب میں آگئے اور عام طبقہ کے نزدیک بھی گویا یہ ایک ناقابل انکار اور مسلّم حقیقت بن گئی، پناہ بخدا پروپیگنڈہ میں بھی کیا طاقت ہے۔

حالانکہ اگر یہ ''عشاقِ مزامیر'' مشائخ چشتیہ کی ''سوانح حیات'' کا مطالعہ کریں تو انھیں کبھی یہ توہین آمیز جرأت نہ ہو کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت خواجہ

---

[۱] یہ مقالہ مولانا فریدیؒ نے دارالعلوم دیوبند کے دورانِ تعلیم لکھا تھا اور اس کو خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم کے رسالہ ماہنامہ ''منادی'' میں شائع کرایا اور ساتھ ہی نظامی صاحب مرحوم سے اس کا جواب بھی طلب کیا تھا۔ نظامی صاحب نے اس کا جواب لکھا مگر تسلی بخش نہیں تھا جس پر ان کے ایک مرید نے نظامی صاحب کو خط لکھا کہ آپ میرے پیرومرشد ہیں اور آپ کی مریدی سے مجھے انکار نہیں ہے لیکن آپ نے امروہہ والے کے مضمون کا صحیح جواب نہیں دیا۔ نظامی صاحب نے اپنے اس مرید کے خط کو رسالہ ''منادی'' میں شائع کردیا۔ مولانا فریدیؒ اس خط کے سلسلہ میں حسن نظامی مرحوم کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی کے جلد ۵ شمارہ ۶ بابت جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا۔ بعدۂ افادیت کے پیش نظر ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ کی اشاعت خاص ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ وہیں سے یہ مقالہ لیا گیا ہے۔ (محب الحق)

قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس اللہ اسرارہم کے مقدس دامنوں پر مزامیر کا داغ لگانے کی پُرفریب اور دجل آمیز کوشش کریں۔ میں اپنے دعویٰ کے اثبات میں ''سیر الاولیاء'' اور رسالہ ''اصول السماع'' کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ دونوں کتابیں حضرت سلطان المشائخ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) کے دو مریدوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور ان کا معتبر ہونا ہر چشتی و نظامی کے نزدیک مسلّم ہے۔ خصوصاً اول الذکر کتاب تو حالات سلطان المشائخ میں اول نمبر کی کتاب مانی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے مصنف مولانا سید محمد مبارک علوی کرمانیؒ نے بہت سے چشم دید واقعات اور معتبر ذرائع سے سنے ہوئے ملفوظات اس کتاب میں جمع کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گانے بجانے کو جائز بتانے والوں اور قرآن و حدیث کے مطالب کو اپنے مقاصد سیئہ کے قالب میں ڈھالنے والوں کو ان حوالوں کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دینے پڑتے ہیں اور انکار کیے نہیں بنتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ دانستہ طور پر قوالی مرجہ کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیں۔ اور مصالح دنیوی کے پیش نظر ''موسیقیت و مزامیر'' کے فروغ دینے کو اہم خدمت طریقت قرار دیں۔

۱. سیر الاولیاء مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی کے ص ۵۲۰ پر جو فارسی عبارت ہے اس کا ترجمہ عام فہم پیش کیا جاتا ہے۔

> ''اس مجلس میں ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ) سے عرض کیا کہ حال ہی میں حضرت کے بعض حاضر باش درویشوں نے چنگ و رباب اور مزامیر کے مجمع میں رقص کیا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اچھا نہیں کیا جو چیز خلاف شرع ہے وہ بُری ہے اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ جب یہ درویش گانے بجانے کی محفل سے باہر آئے ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ ان

درویشوں نے جواب دیا کہ ہم اس قدر مستغرق سماع تھے کہ ہمیں خبر نہیں تھی
کہ یہاں باجے ہیں یا نہیں۔ جب حضرتؒ نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا کہ
یہ جواب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ بہانا تو ہر گناہ میں چل سکتا ہے۔[1]"

۲. ایک اور مجلس میں حضرت سلطان المشائخ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اس وقت فلاں مقام پر آپ کے متعلقین نے ایک محفل منعقد کی ہے۔ جس میں مزامیر اور محرمات موجود ہیں۔

"حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ: میں نے منع کر دیا ہے کہ مزامیر اور محرمات سماع میں نہ ہوں۔ ان لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔ نیز فرمایا کہ امام نماز پڑھا رہا ہو اور اس کے مقتدیوں میں علاوہ مردوں کے عورتیں بھی ہوں اگر امام کو سہو واقع ہو جائے تو مردوں میں سے کسی مرد کو "سبحان الله" کہہ کر امام کو سہو پر مطلع کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر کوئی عورت سہو پر واقف ہو وہ کس طرح امام کو آگاہ کرے؟ وہ "سبحان الله" نہ کہے تا کہ اس کی آواز غیر محرم نہ سن پائیں۔ پھر کیا کرے؟ اس کو چاہیئے کہ ہاتھ کی پشت کو ہتھیلی پر مارے، ہتھیلی کو ہتھیلی پر نہ مارے کہ یہ لہو سے مشابہ ہے۔ اس درجہ لہو سے پرہیز ثابت ہے۔ پس سماع میں مزامیر بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔"

تالیوں کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی طرف منسوب کرنے والے اور مزامیر کو مشائخ چشتؒ کے مسلک میں واجب، ضروری اور لازم بتانے والے اس بصیرت افروز تقریر کو سیر الاولیاء مطبوعہ مطبع محب ہند ص ۵۲۲ و ۵۲۳ پر انصاف کی نگاہوں سے دیکھیں۔

۳. سیر الاولیاء ص ۴۹۱ پر ہے سلطان المشائخ نے فرمایا چار باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو سماع مباح ہے۔

---

[1] یہ عبارت "فوائد الفواد" ملفوظات سلطان المشائخ میں بھی موجود ہے۔ (فریدی)

''(۱) مسمع (۲) مستمع (۳) مسموع (۴) آلہ سماع
مسمع یعنی سنانے والا جوان یا معمر شخص ہو۔ بے ریش (بغیر داڑھی) لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع (یعنی) سننے والا یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع (یعنی) اشعار فحش اور بیہودہ نہ ہوں۔ آلہ سماع مزامیر ہے۔ جیسے چنگ و رباب یہ آلات بھی سماع میں نہ ہوں اگر یہ باتیں سماع میں پائی جائیں تو سماع حلال ہے۔ مطلق سماع صوت موزوں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کیوں کر حرام ہو جائے گا۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نفس سماع علی الاطلاق نہ حلال ہے نہ حرام (عوارض سے اس کا حکم بدلتا رہتا ہے[۱])''

۴. حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ مولانا فخر الدین صاحب زراویؒ نے عربی زبان میں ایک رسالہ ''اصول السماع'' لکھا ہے۔ (مطبوعہ رسالوں کے علاوہ اس کا ایک قلمی نسخہ بخط احمد حسن جمالی نظامی دہلوی کتب خانہ دیو بند میں موجود ہے) اس میں مصنف مذکور نے باوجود مزامیر کی اباحت پر زور دینے کے اس حقیقت کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ ''مشائخ چشتؒ'' کا دامن تہمت مزامیر سے پاک ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''واما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنھم فبری عن ھذہ التھمہ وھو مجرد صوت القول مع الاشعار المشعرۃ من صنعۃ کمال اللہ تعالیٰ. ترجمہ: ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا سماع تہمت مزامیر سے پاک تھا۔ ان کا سماع مجرد صوت کے ساتھ عارفانہ اشعار کا ہوتا تھا۔''

---

۱ چنگ و رباب ہی پر مزامیر کا انحصار نہیں بلکہ عرف میں قوالی کے تمام آلاتِ طرب کو مزامیر کہتے ہیں جیسا کہ ''غیاث اللغات'' میں مزامیر کی تحقیق کے بعد لکھا ہے ''در عرف جمیع ساز مطرباں را گویند۔'' لہٰذا ہارمونیم، سارنگی، طبلہ، ڈھولک اور قیامت تک جو آلات قوالوں کے بجانے کے لیے ایجاد ہوں گے وہ مزامیر کے تحت میں داخل ہوں گے۔ (فریدی)

اتنی صریح و معتبر عبارتوں کی موجودگی میں خدا معلوم ان مجوزین مزامیر کو خلاف شریعت امور کا انتساب بزرگوں کے ساتھ کرنے میں کیوں شرم محسوس نہیں ہوتی۔

۵. رقص کے متعلق صاحب رسالہ اصول السماع فرماتے ہیں:

”**وھو فعل السفھاء والمتصنعین عند غلبة الھواء وھو حرام بالاتفاق.** ترجمہ: رقص کرنا احمقوں اور مکاروں کا فعل ہے۔ جو کہ غلبہ ہوائے نفسانی کے وقت سرزد ہوتا ہے اور بالاتفاق حرام ہے۔“

جس کسی کو اس عبارت میں شک ہو وہ رسالہ مذکور میں رقص کی بحث دیکھے۔ اس جگہ یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ چشت ؒ کے ملفوظات وسوانح میں جہاں کہیں وجد و رقص کا ذکر آتا ہے وہاں مروجہ رقص مراد نہیں بلکہ حقیقت میں وہ ایک خاص کیفیت ہوتی تھی۔ جس کو ریا و تصنع سے کوئی تعلق نہ تھا۔ غلبۂ حال کی بنا پر وجد و کیف کی حالت طاری ہوتی تھی۔ جس سے بے اختیارانہ قیام وقعود کے افعال سرزد ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی کو وجد و رقص سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

ان کے وجد و رقص کو زمانہ موجودہ کے وجد و رقص پر قیاس نہ کیا جائے ع

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

مزامیر کی مدد اور آلات لہو کی اعانت سے جو کیفیت پیدا کی جاتی ہے اس کو تواجد سے تعبیر کیا جائے تو بہتر ہے۔ اور یہ حقیقت اہل نظر پر پوشیدہ نہیں ہے کہ وجد و تواجد میں زمین و آسمان کا فصل ہے۔ حضرت مولانا ضیاء نخشبیؒ اپنی کتاب ”سلک السلوک“ کی سلک چہارم میں فرماتے ہیں:

”وجد قلب پر بلا تکلف عارض ہوتا ہے۔ اہل معرفت کا قول ہے کہ وجد دل کا وہ راز ہے جس پر سوائے خدائے علیم کے کوئی واقف نہیں ہوتا۔“

اسی سلک میں تحریر فرماتے ہیں۔

''بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بزرگ وعظ فرما رہے تھے ایک شخص کو اس وعظ کو سن کر وجد آیا اور اس نے اپنا پراہن چاک کر ڈالا۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو ان بزرگ نے فرمایا کہ وجد میں تو دل چاک کر دیا کرتے ہیں نہ کہ دامن...الخ''

سلک پنجم میں فرماتے ہیں:

''وجد وہ حال ہے جو انسان سے بلا تکلف ظاہر ہو، برخلاف تواجد کے کہ اس میں تکلف ہوتا ہے (المختصر) وجد و تواجد میں بہت بڑا فرق ہے۔''

عالم ربانی، صوفی حقانی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کتاب ''المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل'' مطبوعہ مجتبائی دہلی کے رسالہ سادسہ ص ۳۶ پر تحریر فرماتے ہیں جس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اہل توحید وجود میں سے شیخ محی الدین ابن عربیؒ سماع غنا کے انتہائی منکر ہیں اور فرماتے ہیں کہ نغمہ کا اثر بالذات روح حیوانی پر ہوتا ہے۔ حرکت بدن اور رقص کا ظہور روح حیوانی کے سبب ہوتا ہے۔ روح انسانی تاثیر نغمہ سے منزہ ہے حضرت شیخ اکبرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سماع غنا اور اس کی تاثیر دین خالص میں سے نہیں ہے جس کی طرف آیہ ''الا للہ الدین الخالص'' میں اشارہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی سماع غنا کے انکار میں حضرت شیخ اکبرؒ نے بہت کچھ فرمایا ہے[1]۔''

حضرت شیخ دہلویؒ کتاب مذکور کے ص ۳۷ پر فرماتے ہیں: ''یہ بات یقین کو پہنچ گئی ہے کہ اکابر مشائخ چشتیہ نے (فقط) سماع (نہ کہ مزامیر) سنا ہے لیکن (وہ بھی) احتیاط، شرائط

---

[1] شیخ اکبرؒ کا مرتبہ قائلین وحدت الوجود اور صوفیائے محققین کے نزدیک جو کچھ ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ قوالی نامہ کے مصنف اس محقق منکر غنا کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ (فریدی)

اور آداب کے ساتھ وہ اکثر خلوت میں سماع سنتے تھے تاکہ اغیار اور نامحرموں کی شرکت سے مجلس خالی رہے۔

ص ۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی مجلس میں نہ مزامیر ہوتا تھا نہ تالیاں بجتی تھیں۔ ان چیزوں سے حضرت اپنے متوسلین کو منع فرماتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دائرہ شرع سے کسی شخص کو باہر نہ ہونا چاہئے۔ مسائل فقہیہ میں مذکور ہے کہ سماع میں تو اختلاف ہے بھی لیکن مزامیر کا سننا بالاتفاق حرام ہے۔ ایک مرتبہ امیر حسن دہلویؒ نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ جس وقت کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو دنیا و مافیہا اس وقت فراموش ہو جاتی ہے۔ تمام چیزوں سے دل سرد ہو جاتا ہے اور یادِ حق کے سوا دل میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ حالت نماز میں حاصل نہیں ہوتی۔ حضرتؒ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کوشش کرو تاکہ یہ حالت نماز میں حاصل ہو جائے۔ جب حضرت سلطان المشائخ مجلس سماع میں حاضر ہوتے تھے، آپ پر گریہ و زاری ظاہر ہوتی تھی۔

اس کے بعد حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "حضرتؒ کے رقص (مروجہ) اور تواجد (وجد اختیاری) کا کوئی ثبوت نقلی نظر سے نہیں گزرا۔

ص ۳۹ پر ارقام فرماتے ہیں "مریدان سلسلۂ شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ سماع مزامیر سے حد درجہ اجتناب و احتراز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ (حضرت نظام الدینؒ) نے فرمایا ہے کہ جو شخص مزامیر سنے گا وہ ہماری بیعت اور مریدی سے باہر ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب معلوم نہیں کہ چودھویں صدی ہجری میں بھی سلسلۂ نظامیہ محمودیہ کے اندر یہ خصوصیت باقی ہے یا نہیں؟

ص ۴۱ پر ارشاد فرماتے ہیں "حدیث لسعت حیة الهوىٰ.. الخ خود محدثین اور محققین مشائخ کے نزدیک موضوع اور بے اعتبار ہے۔ حدیث جاریتین کے متعلق فرماتے

ہیں کہ وہ دو لڑکیاں تھیں اور ''اوس و خزرج'' کے درمیان جو بعض وقائع گزرے ہیں اس کو بغیر تصنع (بغیر قواعد موسیقیہ) کے پڑھ رہی تھیں ''گانیوالی''..............نہ تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں آیا ہے ''کانتا تغیان لیستا بمغنتین '' زیادہ سے زیادہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غنائے مطلق حرام نہیں لیکن یہ اجتماعہائے خاص (مجلس مزامیر) کیفیت مخصوص کے ساتھ کہاں سے ثابت ہو گئے؟ اس سے کچھ آگے فرماتے ہیں:

> ''ان کا یہ کہنا کہ ہمارے مشائخ نے سماع سنا ہے، محض بہانہ اور حیلہ ہے اگر یہ لوگ مشائخ کے معتقد ہیں تو یہ کیا کہ مشائخ کے تمام طریقوں میں صرف سماع کو پسند کر لیا اور تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یہ لوگ بدنام کنندۂ نیکو نامے چند کے مصداق ہیں۔ خدا کی قسم نہ ان لوگوں کو مشائخ سے نسبت، نہ مشائخ کی ان پر عنایت۔ مشائخ تو اہل حق اور ارباب صدق ہیں۔ وہ اہل بطلان و کذب سے کب راضی ہوتے ہیں؟ ان (نام نہاد صوفیا) کی بنا کار سوائے نفسانیت اور تعصب کے کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ کسی فقیہ یا متشرع انسان کو دیکھتے ہیں تو اس کی مخالفت میں اور زیادہ (معاصی کا) ارتکاب کرتے ہیں۔ گویا کہ جماعتِ فقہا سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان کا دین فقہا کے دین سے جدا ہے۔''

(کتاب المکاتب والرسائل از شیخ عبدالحق دہلویؒ)

آخر میں سیر الاولیاء کے باب نہم کا کچھ اقتباس بطور ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ یہ واضح رہے کہ یہ باب علامہ کرمانیؒ مرید حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاءؒ) نے اپنے زمانہ کے اہل سماع کے متعلق ان کی اصلاح کی غرض سے لکھا ہے اور ناصحانہ طرز میں محض سماع کی غرض وغایت بیان فرما کر قواعد سماع کے پابند رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

انھیں یہ کیا خبر تھی کہ کسی زمانہ میں اچھے اچھے مدعیان تصوف ہارمونیم اور سارنگی کو سماع کا ''جزولاینفک'' قرار دیں گے اور ان میں سے بعض ''قوالی نامہ'' لکھ کر تمام مشائخ چشتیہ کی طرف سماع مزامیر کی نسبت کر دیں گے۔ حتیٰ کہ قرآن وحدیث میں باجوں کے جواز کو تلاش کریں گے۔ اچھا اب علامہ کرمانیؒ کی بصیرت افروز تقریر سنئے، فرماتے ہیں:

''اہل سماع کی (ایک) لغزش یہ ہے کہ دن رات سماع کو کہ وہ دراصل مردانِ خدا کی کسوٹی اور مجاہدین الٰہی کا معرکہ گاہ ہے طریقۂ گمراہی بنا کر پاکوبی کرلے اور اپنا شور وشغب آسمان تک پہنچائے اور اس ذریعہ سے اپنے آپ کو مشہور کرے اور نیک بندوں کے گریۂ دردانگیز اور نعرۂ شوق حق آمیز اور ان کے شور و رقص کو پریشان کرے۔ رقاصوں کی طرح ناچ کر دکھا کر دیکھنے والوں کو ہنسائے اور اس طریقہ سے حاصل کردہ شہرت کو اپنی روزی اور حلوے، مانڈے کا ذریعہ بنائے۔

سماع اے برادر بگویم کہ چیست ☆ اگر مستمع را بدانم کہ کیست

اگر برج معنی پر وطیر او! ☆ فرشتہ فرو ماند از سیر او

اگر مرد لہو است و بازی ولاغ ☆ قوی ترشود دیوش اندر دماغ

یہ مکار شخص اپنے مشائخ کے طریقہ کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفس کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور ان ناپسندیدہ حرکات سے چاہتا ہے کہ کوئی مقام حاصل کرے۔ خدا کی قسم یہ اپنے مقصد میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ایک بزرگ نے سچ فرمایا ہے

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ☆ کایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

خدا کے واسطے ہمارے مشائخ کے طور وطریقہ اور اعمال واخلاق پر

(جن کا سیر اولیاء میں ذکر ہو چکا ہے) نظر غائر ڈالو کہ انھوں نے
ابتداء سے انتہاء تک کیا کیا مجاہدات و ریاضات شاقہ برداشت کئے
ہیں اور رضائے باری تعالیٰ حاصل کرنے کے لیے مشغولیٔ باطن کے
باعث اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیا بایں ہمہ کوئی بشر ان کی ریاضتوں
اور مجاہدوں پر مطلع نہ ہونے پایا۔ جب کہ ان کی جان پر آ بنتی تھی اور
ریاضت کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہوتا تھا۔ اس وقت یہ مقدس
حضرات سماع میں مشغول ہو کر بحرِ معرفت میں شناوری فرماتے تھے"

(از سیر الاولیاء)

بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارواح طیبہ کو مزامیر وغیرہ امور قبیحہ سے کس قدر تکلیف پہنچتی ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے کچھ ہو سکتا ہے جس کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخیار" میں حضرت میر سید ابراہیم بن معین عبدالقادر الایرجیؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"ترجمہ: کہتے ہیں کہ انھوں نے (میر سید ابراہیمؒ نے) حضرت شیخ
نظام الدین قدس سرہٗ سے عالم رویا میں خرقہ پایا ہے۔ اور وہ مجلس
سماع میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ سنا گیا ہے کہ شیخ رکن الدین بن شیخ
عبدالقدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ان کی خدمت
میں عرض کیا کہ آج حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ العزیز کا
عرس ہے۔ اگر چاہیں تو تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا تم جاؤ
اور ان کی قبر کی زیارت سے مشرف ہو اور ان کی روحانیت کی جانب
متوجہ ہو کر (دیکھو) کہ کیا فرماتے ہیں۔ کہ پس میں جو زیارت کے
لیے گیا اور ان کی قبر کے مقابل بیٹھا اور ان کی روحانیت کی جانب

متوجہ ہوا، مجلس سماع گرم تھی۔قوال اور صوفی جوش وخروش میں بیٹھے
تھے۔اس اثناء میں حضرت خواجہ قطب الدین صاحبؒ فرماتے ہیں
کہ ان بدبختوں نے ہمارا دماغ اُڑا دیا اور ہمارے وقت میں خلل
ڈال دیا۔ بعدہٗ میں سید ابراہیمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ ہنسے
اور فرمایا کہ اب (اس حالت میں) مجھے معذور سمجھو گے یا نہیں؟ میں
نے عرض کیا کہ واقعی وہی بات ہے جو آپ فرماتے ہیں۔حق و
صداقت آپ ہی کی جانب ہے۔''

عرض آخر: مجھے مشائخ چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے طرز عمل کی روشنی میں مسئلہ سماع مزامیر کو حل کرنا تھا۔الحمدللہ کہ میں دیانت اور نیک نیتی کے ساتھ اس مقصد میں ایک حد تک کامیاب ہو گیا۔مزامیر پسند مزاجوں میں صلاحیت موجود ہے تو یہی بہت کچھ ہے ورنہ آیات قرآنیہ آحادیثِ نبویہ اور فقہ حنفی کے پیش کرنے سے بھی اثر نہ ہوگا۔

چوں مخبط شد اعتدال مزاج ☆ نہ عزیمت اثر کند نہ علاج

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مقالہ[1] (۵)

حضرت شاہ عضدالدین محمد جعفریؒ
ایک صاحب دیوان شاعر کی حیثیت سے

حضرت شاہ عضدالدین محمد جعفری امروہیؒ (متوفی ۱۱۷۲ھ) حضرت شاہ محمد حامد جعفری ہرگامیؒ کے صاحبزادے اور حضرت شاہ محمدی فیاض ہرگامیؒ کے برادرزادے اور خلیفہ مجاز تھے۔ احقر نے ''امروہہ کے چند اکابر خاندان چشتیہ صابریہ[2]'' کے حالات رسالہ ''ماہنامہ دارالعلوم'' دیوبند بابت ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء کی تین قسطوں میں شائع کرائے ہیں۔ دوسری قسط میں حضرت شاہ صاحب موصوفؒ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں حضرتؒ کی تصانیف کے سلسلے میں ''مقاصد العارفین'' کا بھی ذکر آیا ہے۔ اور اس پر ضرورت کے مطابق تبصرہ کر کے ''دیوانِ عضدی[3]'' کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس وقت سوائے ''تذکرۃ الکرام'' مؤلفہ محمود احمد عباسی امروہوی کے پیش کردہ چند اشعار کے جو ''مقاصد العارفین'' کے آغازِ کتاب میں ایک قصیدے کے اندر درج ہیں اور اشعار پیش نہ کر سکا تھا۔

''دیوانِ عضدی'' کا بھی سرسری ذکر کر کے اس موضوع کو ختم کر دیا تھا۔ اس تقریب افتتاح ''مقاصد العارفین'' کے موقع پر میں نے مناسب سمجھا کہ حضرت قدس سرہٗ کے چند

---

[1] یہ مقالہ کتاب ''مقاصد العارفین'' کے افتتاح کے موقع پر پڑھا گیا تھا۔ اس کتاب کو مولانا فریدیؒ کے برادرزادہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم سابق صدر شعبہ عربی دلی یونیورسٹی، دلی نے ایڈٹ کیا اور مقدمہ بھی لکھا۔ اور یہ کتاب نواب زادہ شوکت علی خاں ٹونک کے مالی تعاون سے چھپ کر شائع ہوئی۔ ''مقاصد العارفین'' کے افتتاح میں شوکت علی خاں بھی شریک ہوئے تھے جو کہ ''خانقاہ میاں موجِ امروہہ'' میں منعقد ہوا تھا۔ اسی جلسہ میں یہ مقالہ پڑھا گیا تھا۔ اور یہ مقالہ اب تک شائع نہیں ہوا تھا۔ [2] اس عنوان کے تحت مشائخ چشتیہ صابریہ امروہہ کے حالات ''مقالاتِ فریدی'' جلد اول میں ملاحظہ کریں۔ [3] ''دیوانِ عضدی'' کی دریافت ہوگئی ہے۔ اس کو مصباح احمد صدیقی امروہوی ایڈٹ کر رہے ہیں۔ (محبّ الحق)

اشعار سامعین کرام کے سامنے اور پیش کردوں۔

پہلے تو میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ''دیوانِ عضدی'' کے دو چار ورق محمود احمد عباسی مؤرخ امروہہ نے ''تذکرہ شعرائے امروہہ'' مرتب کرتے وقت مجھے دکھائے تھے اور مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ محلہ کٹ گھر مرادآباد کے کسی صاحب سے انھیں دستیاب ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت پورا دیوان مرادآباد میں موجود ہو اور عباسی صاحب صرف آخری اوراق لائے ہوں۔ عباسی صاحب نے ''تذکرۃ الکرام'' میں شاہ صاحبؒ کا ذکر خیر کرتے ہوئے ان کے ذوق شعری کے متعلق یہ الفاظ تحریر کئے ہیں:

''موزونی طبع خداداد تھی، عضدی تخلص تھا ''دیوانِ عضدی'' حقائق و معارف اور رموزِ تصوف پر مشتمل ہے، غزلیات و رباعیات ہر صنف کلام میں طبع ازمائی کی ہے، حمد و نعت میں طویل قصائد ہیں۔''

میں نے اس کی کوئی جستجو نہیں کی اور ایک غلطی یہ کی کہ ان اشعار کو اپنی بیاض پر نقل نہیں کیا۔ فقط غور سے مطالعہ کرنے پر اکتفا کیا۔ یہ ۱۹۵۳ء سے چند سال پہلے کی بات تھی۔ اس کے بعد مجھے ''جمالِ صابری'' مؤلفہ صوفی نوراللہ عیش امروہوی کا ایک نسخہ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ دستیاب ہوا جو اب بالکل کمیاب ہے۔ اس میں صوفی صاحب مرحوم نے شاہ صاحبؒ کی سولہ غزلیات اور پانچ رباعیات شروع میں درج کردی ہیں۔

انھوں نے ''دیوانِ عضدی'' سے یہ غزلیات و رباعیات نقل کی ہیں معلوم نہیں کہ صوفی صاحب مرحوم کو ''دیوانِ عضدی'' کا نسخہ کہاں سے ملا تھا اور وہ اب کہاں ہے۔ آج ''دیوانِ عضدی'' کا کوئی نسخہ امروہہ میں اور دیگر مقامات میں نہیں ملتا ہے۔

حضرتؒ کی ایک غزل میں نے سید شبیہ احمد صاحب مرحوم (جو حضرت مولانا قاضی امانت علی امروہیؒ کے پرپوتے اور حضرت شاہ قیام الدین جعفریؒ کے نواسے تھے) کی بیاض سے ۱۹۵۶ء میں نقل کی تھی۔ ''مقاصد العارفین'' میں بھی جابجا آپ کا منظوم کلام پایا جاتا

ہے۔ اب میں اتنے ہی مجموعہ کلام کو سامنے رکھ کر حضرتؒ کی شاعری پر ایک مختصر مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ اپنا تخلص مقطع میں کبھی عضدیؔ اور کبھی عضدؔ لاتے ہیں۔ ذیل کے تین شعر ملاحظہ ہوں:

ہاں سخن کوتاہ کن عضدیؔ بامیّد قبول ☆ کے شود سلطانِ جان دراختیارم الغیاث

زہد وتقویٰ بفروشد عضدیؔ از پئے او ☆ آرزوے لبِ جاناں ہمہ ایمانم باد

گرچہ عمرت گشت ضائع اے عضدؔ با گریہ ساز ☆ مفلساں را مایہ، دُرِ اشک برداماں خوش است

ایک قصیدے کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ یہ پورا قصیدہ شانِ باری تعالیٰ میں ہے اور ''مقاصد العارفین'' کے آخر میں درج ہے۔

چہ یارا ذرّۂ خاکی کہ نامش برزباں آرد ☆ دریں پستی خیالِ خود براَوجِ آسماں آرد

خداوندے کہ دریک دم دو حرفِ کاف ونونِ او ☆ ہزاراں کلمۂ قدرت براوراقِ عیاں آرد

کرا تابِ ثنائے اُو کہ گوید وصفِ توحیدش ☆ اگر گوید ہماں باشد کہ عجز اندر بیاں آرد

ہُمائے فرِّ اجلالش شکارِ پشّہ نتواں شد ☆ کجا مورِ ضعیفِ آخر کہ کوہے در دہاں آرد

اب نعت کے چند شعر بھی سنیئے

غریبم، عاجزم، مسکیں شکستہ پا بہ راہِ دل ☆ دوائے جز لقائے تو دریں دردم نمی بینم

کریما بس گنہگارم گناہِ بے عدد دارم ☆ شفیعِ مُذنبانِ جز تو دریں عالَم نمی بینم

یا رسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ☆ نامۂ طاعت چو روئے دل سیاہ آوردہ ام

این سگے عاصیٔ عضدیؔ را بامیدِ قبول ☆ بے قرار وخوار، بے قدر وتباہ آوردہ ام

نعت کا ایک مصرعہ یہ ہے: خدارا دستگیرم شَو توئی اے رحمتِ عالم

اس کا دوسرا مصرعہ صوفی صاحب مرحوم نے نہیں لکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں کہیں کہیں حافظؔ شیرازی کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔

اگر پورا دیوان سامنے ہوتا تو اس کے کئی نمونہ دکھائے جا سکتے تھے۔ یہاں صرف ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ حافظؔ شیرازی نے کہا ہے

شبِ تاریک و بیمِ موج گردابے چنیں ھائل ☆ کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحل ہا

حضرت شاہ صاحبؒ اسی رنگ میں فرماتے ہیں

منم در بیشۂ شیراں، شبِ تاریک، دل حیراں ☆ بہ تنہائی دریں ویراں مرا آخر چہ خواہد شد

شاہ صاحبؒ کے کلام میں توحید و تصوف اور اسرار عشق و جذب کے علاوہ تواضع، مسکینیت اور انکساری کے جذبات بھی خوب نمایاں ہیں۔ چند اشعار پیش کرتا ہوں:

توبہ کردم از گناہاں شرمسارم الغیاث ☆ روے زردم، آہِ سردم اشکبارم الغیاث

عاجزم درماندہ ام راہے ندارم ہیچ طرف ☆ بے قرارم الغیاث و شرمسارم الغیاث

بے در تو نیست جائے آبروئے عاجزاں ☆ لطف فرما جرم بخشا زار زارم الغیاث

جز تو دیگر کس نباشد در جہانم دست گیر ☆ از کرم بنگر بحال بے قرارم الغیاث

حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں مطلع بہت پُر کیف ہوتا ہے۔ اس کے چند نمونے یہ ہیں:

اے گوہرِ ثنائے، تو زیبِ زبانِ ہا ☆ و ز شمعِ عشقِ تُست منور جہان ہا

اے زخوبیِ رُخِ تو شور و غوغا ہر طرف ☆ عاشقانت بے عدد پُر سوز و سودا ہر طرف

اے زعشقت در جہاں خلقِ پریشاں ہر طرف ☆ در ہوائے مہر تو ہر ذرّہ گرداں ہر طرف

زینتِ ہر دو جہاں از رُخِ جانانم باد ☆ سایۂ سرو قدش بر سر و سامانم باد

صبا بوے دل آویزِ زلفِ یار آمد ☆ دلِ خزاں زدہ را عشرتِ بہار آمد

من بعشقِ جانِ جاں افتادہ ام ☆ در خیالِ دلستاں اُفتادہ ام

اب میں ذیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کے چند منتخب اشعار اور آخر میں ایک رباعی پیش کر کے اس مختصر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

آبِ دریا از فراقِ پائبوسِ عرش تو ☆ دائما در نالہا با دیدۂ گریاں خوش است
از منِ مسکیں اگر چہ صد گنہ آمد پدید ☆ از تو ستاری وعفو ورحمت وغفراں خوش است
دردمندم خستہ ام ترسان وبس زار ونزار ☆ دستِ افضالت بفرقِ بے سروسامانِ خوش است
اے رفیع الشان واے عالی مقام وبے نشاں ☆ سایۂ لطف تو بر فرقِ بزہ کاراں خوش است
من ازاں جمع کہ راہِ راست راپے گم کنند ☆ رہنمائی ہائے تو در چشمِ گمراہاں خوش است
بندۂ مسکیں گنہ گارے بتو دارد امید ☆ بارشِ فیضِ عمیمت برگنہ گاراں خوش است
توبہ ام بپذیر و جرمم عفو کن از محضِ جود ☆ اے کہ جُودت برغنی وبرتہی دستاں خوش است
فکرِ جمالِ اوست ہمہ کاروبارِ دل ☆ ذکرِ کمالِ اوست ہمہ قیل و قالِ ما
مخمور چشم نرگسش مژگاں سناں ابرو کماں ☆ تابِ جمالِ چہرہ اش رشکِ شعاعِ آفتاب
پا بستۂ دامے وَیَم خود خستۂ نام وَیَم ☆ من بندۂ عام وَیَم قربانِ زلفِ مشکِ ناب
چوں بباغِ آری قدم، بہرلبِ نازک سرشت ☆ جامِ گل، صد لالہ برکف کردہ بالا ہر طرف
تاجرِ عشق ترا سودائے زلفت در خیال ☆ طے کند بے توشہ منزل در بیاباں ہر طرف
راہِ مقامِ جاناں پیک کدام داند ☆ تا عرضِ حالِ بندہ برشاہِ جاں رساند
زاں زمینے کہ بر اُو از قدمش نقش فتد ☆ جامۂ خاکِ رہش برتنِ عریانم باد
صباح در سرِ گوشم زغیب ہاتف گفت ☆ بہوش باش کہ خورشیدِ روزگار آمد
دو چشم نرگس شہلا دو زلفِ سنبلِ رعنا ☆ عذارِ ار غوانِ اُو بہارِ بوستاں دارد
خندہ کے آرد کسے کو افتد اندر دامِ عشق ☆ ہوش کے دارد دماغِ پُر خمارِ جامِ عشق

رباعی ملاحظہ ہو

رازے کہ دقیق است بپوشیدن بہ ☆ آں بادہ کہ تلخ است بنوشیدن بہ
اسرار کہ قابلِ بیان وعرفاں باشند ☆ کوشیدن و کوشیدن و کوشیدن بہ

مقالہ[1] (۶)

اسلام میں طلب علم کی اہمیت وفضیلت

علم دین کی تحصیل واشاعت مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے

نظر تعمق سے دیکھا جائے تو اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اپنے متبعین کو تبلیغ واشاعت احکام الٰہی کی شدومد کے ساتھ تاکید کی ہے۔

قرآن عزیز نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے: ''کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر'' (سورہ آل عمران رکوع ۱۱)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو اور اس لیے پیدا کئے گئے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دو۔ چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بغیر تکمیل علوم دینیہ و تحصیل احکام قرآنیہ سرانجام نہیں ہوسکتا۔ اس لیے علم دین کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون'' (سورہ توبہ رکوع ۱۵)

ترجمہ: کیوں نہیں ہر ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جماعت نکلتی تا کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرے اور جب اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو ان کو وعظ ونصیحت کرے۔ شاید کہ وہ پرہیز گار ہوجائیں۔

آیت بالا کا انداز بیان صاف بتلا رہا ہے کہ تحصیل علم دین کے لیے مسلمانوں کو اپنے وطن مالوف، اپنے اعزاء واقرباء کی جدائی اور سفر کی صعوبتوں کا خیال بالائے طاق رکھ

---

[1] یہ مقالہ ماہنامہ ''تاج'' لاہور بابت مارچ ۱۹۳۷ء سے لیا گیا ہے۔ (محب الحق)

کر مراکز علمیہ میں جانا ضروری ہے۔ تا کہ علماء وفقہاء کی جماعتیں تیار ہوں اور اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں خدائے قدوس کے احکام کی تبلیغ کر سکیں۔ علاوہ ان ارشاداتِ قرآنی کے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فضائل علم تحصیل علم کی ضرورت اور علماء حقانی کے مناقب کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غزوۂ بدر'' کے بعض قیدیوں سے زرفدیہ لینے کی بجائے یہ کام لیا کہ وہ ''مدینہ منورہ'' کے چند اشخاص کو لکھنا پڑھنا سکھلائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو ترویج علم دین کا اس درجہ خیال تھا کہ آپؓ نے اپنے عہد خلافت میں اعلان کر دیا تھا کہ ''مدینہ'' کے بازاروں میں وہی لوگ تجارت کر سکتے ہیں جو مسائل دین سے واقف ہوں۔ تا کہ ''بیع وشرا'' کے معاملات میں شریعت کے مقرر کردہ اصول پر کما حقہ عمل درآمد کر سکیں۔ اصحاب صفہ کی جماعت طلباء کی ہی جماعت تھی جو تفقہ فی الدین حاصل کرنے کی غرض سے معلم روحانیت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کی اسائشوں سے بے پرواہ ہو کر زانوئے ادب طے کئے بیٹھی رہتی تھی۔ اس جماعت کے ممتاز قوی الحافظہ طالب علم حضرت ابو ہریرہؓ تھے جن سے ہزار ہا حدیثیں مروی ہیں۔

صحابہؓ کے ذوق علم کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ ایک حدیث بالواسطہ سننے کی غرض سے مدینہ سے شام تک کا سفر اختیار کرتے ہیں اور ایک مہینہ کا دشوار گزار راستہ طے کر کے حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ سے اس کی سماعت فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بخاری شریف جلد دوم میں بایں الفاظ درج ہے۔ ''**عن جابر عن عبدالله ابن أنيس قال سمعت النبى صلى الله عليه و سلم يقول يحشر الله العباد فينا ديهم بصوت يسمعه من بعد كما يسمعه من قرب انا الملك انا الديان**''

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو جمع کرے گا اور ایسی آواز کے ساتھ جس کو قریب و بعید مساوی طریقہ سے سنیں گے۔ یہ ندا دے گا کہ میں بادشاہ ہوں اور میں بدلہ

دینے والا ہوں۔

یہاں مشتے نمونہ از خروارے صرف ایک واقعہ درج کیا گیا ہے لیکن تفحص کتب احادیث سے اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ صحابہؓ کے بعد حضرات تابعین کا زمانہ ہمارے پیش نظر ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں بھی ہم کو بہت سی مقدس و مبارک ہستیاں ایسی ملتی ہیں جنھوں نے اپنے وجود کو طلب علوم و قرآن و حدیث میں وقف کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ممتاز شاگرد حضرت مجاہد بن جبیرؒ کو لیجئے۔ اس خدا کے برگزیدہ بندے نے ایک یا دو مرتبہ نہیں کامل تیس مرتبہ قرآن شریف کا دورہ اس طرح کیا تھا کہ ہر مرتبہ جملہ متعلقات اور مالہ و ماعلیہ پر غور و خوض کیا تھا۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ کس محنت و جاں فشانی اور تدبر کے ساتھ قرآن مجید کا علم حاصل کرنے والا شخص کس پائے کا مفسر ہوگا۔

سعید بن جبیرؒ ایک ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن کا سفر کرتے تھے۔ مشہور محدث حضرت ابن شہاب زہریؒ احادیث کی جستجو میں مدینہ کی گلیوں کا چکر لگاتے تھے اور باشندگانِ مدینہ سے استفادہ کرتے تھے۔ ابن خلقان جلد اول کے مطالعہ سے پتہ چلے گا کہ حضرت ابن شہاب زہریؒ ہر وقت کتابوں کے انبار میں گھرے رہتے تھے۔ اس مشغولیت کی بنا پر ان کی بیوی کو شکایت کا موقع ملتا تھا۔

ائمہ مجتہدین کے واقعات و سوانح ملاحظہ فرمائیے۔ ان حضرات نے اکتساب علم دین میں جو جد و جہد کی ہے اس کی نظیر آج تک میسر نہیں۔ عالم اجل اور فاضل یگانہ ہو جانے کے باوجود ان قدسی صفات نفوس نے آخر دم تک طالب علمانہ جستجو کو قائم رکھا اور زندگی کے آخری لمحات تک مشغلۂ تحقیق و تدقیق میں کمی واقع نہ ہونے دی۔ ایک ایک مسئلہ کی تحقیقات میں ان بزرگوں کو کتنی کوشش کرنی پڑی ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے بنظر اختصار صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔

حضرت امام شافعیؒ سے سوال کیا گیا کہ کتاب اللہ میں کوئی ایسی آیت بتلایئے جو اس

امر پر دلالت کرے کہ "اجماع حجت" ہے۔ایسی آیت کی تلاش میں آپ نے تین سو مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ بالآخر یہ آیت نکالی "ومن یشاقق الرسول "سورہ نساء (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر ص ۳۲۲)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے جستجوئے حدیث اور طلب علوم نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ممالک اسلامیہ کے قریب قریب تمام بڑے بڑے مراکز علمیہ میں جا کر وہاں کے مشائخ و اکابر سے استفادہ کیا ہے۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ایسی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ کہ ایک ذہین و ذکی طالب علم جب تک اپنے زمانہ کے مشہور مشہور علماء، فضلاء سے اخذ فیوض نہیں کر لیتا تھا اور دور دراز مقامات تک "شدّ رحال" کر کے اپنے دامن شوق کو گوہر مراد سے نہ بھر لیتا تھا چین سے نہ بیٹھتا۔ بصرہ، بخارا، دمشق، مصر، بغداد، اندلس کی علمی و فنی یونیورسٹیاں طالبین حدیث و قرآن سے لبریز رہتی تھیں اور مشائخ کے حلقہ ہائے درس میں عاشقانِ علوم کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔

فی الحقیقت ہمارے اسلاف کے جذبات عالی تھے۔ ہمتیں بلند تھیں ان کا حوصلہ، ان کی قوت ارادی، ان کا عزم و استقلال قابل صد تحسین و آفریں ہے، ان کی قبور پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔ اور ان کی ارواح طیبہ کو اعلیٰ علیین نصیب ہو۔ انھوں نے ہزاروں قسم کی مشقتیں برداشت کر کے ہمارے واسطے ہر علم و فن کی کتب کا ذخیرہ جمع کیا۔ بہزار تحقیق و تدقیق تصنیفات کیں۔ کتب تفاسیر لکھیں۔ احادیث کو مدوّن کیا۔ فقہ مرتب کی۔ معانی، بیان، انشاء، ادب، اخلاق، منطق، فلسفہ، ہیئت، ریاضی غرض جملہ علوم میں ہماری ایسی رہنمائی فرمائی کہ ہم کو منزل مقصود تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی۔

لیکن آج ہماری تساہل پسندی، غفلت شعاری، نیز مغربی تعلیم کے بڑھے ہوئے شوق نے ہمارے دامنوں کو ان گراں بہا موتیوں سے محروم کر رکھا ہے جن کو ہمارے اسلاف نے ہمارے ہی لیے جمع کیا تھا۔ مغربیت کا اثر ہمارے دل و دماغ پر چھا گیا ہے۔ اور یورپ

کے علوم ہم کو ایسے پسند آئے ہیں کہ اگر ان کے حاصل کرنے میں دین وایمان کا بھی نقصان ہو تو کچھ پرواہ نہیں۔

بخاری کے بجائے شکسپیر کے افسانے ہماری غذائے روح بنے ہوئے ہیں اور بیضاوی کے بجائے برکلے کا فلسفہ ہمارے واسطے وجہ نشاط وانبساط ہے۔ ہمارے اسلاف کو ایک مسئلہ کی تلاش میں تین سو مرتبہ قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرنا آسان تھا۔ آج انھیں کے اخلاف انگریزی کی مکمل تعلیم تو حاصل کرتے ہیں لیکن قرآن شریف کی ایک سورت بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے اور نہ انھیں تلاوت کا خیال واحساس ہے۔ اسلاف نے ایک ایک حدیث حاصل کرنے میں ایک ایک مہینہ کا سفر اختیار کیا۔ انہیں کے اخلاف ہیں کہ تعلیم حدیث باقاعدہ حاصل کرنا تو درکنار احادیث کو عقیدت کے ساتھ سننے کے لیے بھی آمادہ نہیں۔ علماء کی مجالس سے ان کو وحشت ہے، جلسہ ہائے وعظ وتبلیغ سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔

یورپ زدہ طبقہ سے شکایت تو بعد کو کرنی چاہئے اولاً خود ان حضرات پر نظر ڈالی جائے جو عربی کے طالب علم کہلاتے ہیں۔ ان کے اندر وہ حقیقی ذوق شوق نہیں ہے جو ایک طالب علم کے اندر ہونا چاہئے۔ طلب علم میں جتنی محنت درکار ہے کتنے نفوس ہیں جو اس کو صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ کیا طلبائے عربیہ کے لیے یہ چیز قابل غور نہیں ہے کہ متقدمین نے اس وقت مختلف ممالک واقطار ارض کا سفر طلب علوم میں کیا تھا جب کہ ریل، موٹر اور سریع السیر ذرائع آمد ورفت کچھ بھی نہ تھے۔ آج ذرائع سفر آسان ہیں۔ ریلوں کی تیز رفتاری نے بُعد مسافت کو قرب ونزدیکی میں تبدیل کر دیا ہے۔ اعزاء واقرباء کی خیر وعافیت معلوم کرنے کے لیے بھی ہر قسم کا معقول انتظام ہے لیکن طلب علم کے لیے گھر سے نکلنا ہم کو موت کا مترادف معلوم ہوتا ہے۔ اپنے مذہبی علوم سے ہمیں محبت والفت ہوتی تو ہم بھی والہانہ انداز میں وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر وادیٔ غربت میں قدم رکھتے۔ ذوق دہلویؒ سچ فرماتے ہیں

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ سا کرم ضعیف ☆ آدمی سے کیا نہ ہو محبت ہو تو ہو

ہندوستان کا عربی طالب علم بغرض تعلیم بیرون ہند تو کیا جائے گا اس کو اپنے ملک کے مشہور فضلاء ہی سے برکات حاصل کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوتی۔

آج درس و تدریس میں مشغول رہنے والے باکمال محدثین و مفسرین ہند میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی[1]، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہی محشی بیضاوی، حضرت مولانا احمد علی مفسر قرآن لاہوری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی بابرکت ہستیاں زیادہ مشہور ہیں جو اپنے اپنے مستقر و مرکز میں تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں کتنے ایسے طلباء ہیں جو ان معدودے چند اکابر علمائے وقت سے باوجود ہر قسم کی سفری آسانیوں کے فیوض حاصل کرتے ہیں اور ان سب حضرات سے وقتاً فوقتاً تحصیل کمالات کرنا اپنا نصب العین بناتے ہیں۔

آخر میں خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے اندر حصول تعلیم دین کا احساس پیدا کرے۔ ہم کو توفیق دے کہ ہم اپنی درسگاہوں، کتب خانوں، علمی مرکزوں کو آباد رکھنے کی کوشش کریں۔ اپنے زمانہ کے فضلاء سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا جذبہ ہمارے دلوں میں موجزن ہو اور ہماری آنکھیں پھر ایک دفعہ "بغداد و قرطبہ" کے علمی و فنی نظاروں سے منور ہو جائیں (آمین)

[1] جب یہ مضمون لکھا گیا تھا تو یہ سب ہی اکابر بقید حیات تھے۔ حضرت مدنیؒ ۱۳۷۷ھ حافظ صاحبؒ ۱۳۶۶ھ، حضرت لاہوریؒ ۱۳۸۱ھ، حضرت علامہ عثمانیؒ ۱۹۴۹ء، حضرت مفتی کفایت اللہؒ ۱۳۷۲ھ میں وصال فرمایا۔ (محب الحق)

مقالہ[1] (۷)

دامانِ کوہ سے ایک مردِ حق آگاہ کی آواز بازگشت

ارشادات حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی نقشبندی مجددیؒ

حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ قصبہ موسیٰ زی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں (پنجاب) کے رہنے والے تھے، ان کے پیرو مرشد حضرت حاجی شاہ دوست محمد قندھاریؒ کی خانقاہ موسیٰ زی ہی میں تھی اور وہ حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ کے خلیفہ تھے۔ اٹھارہ سال سے زائد عرصہ کسب سلوک باطن اور خدمت پیرو مرشد میں گزارا۔ بعد وصال مرشد ۱۲۸۴ھ میں مسند ارشاد پر فائز ہوئے اور مرشد کی خانقاہ کو چار چاند لگا دیئے۔ آپ کی شخصیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا حسین علی شاہ نقشبندیؒ جیسا محدث و مفسر درویش، قطب الوقت حضرت (مولانا رشید احمد) محدث گنگوہیؒ کی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہو کر فیض عثمانی حاصل کرنے کے لیے دامن عثمانی سے وابستہ ہوتا اور بالآخر اجازت و خلافت حاصل کرتا ہے[2]۔

حضرت خواجہ محمد سراج الدین دامانیؒ آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔ جنھوں نے کمالات باطن حاصل کر کے اپنے والد ماجد سے خلافت حاصل کی تھی۔ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خاںؒ انھیں صاحبزادے کے خلیفہ مجاز تھے۔ خانقاہِ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی انھیں کے نام پر ہے۔ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ نے ۷۰ سال کی عمر پائی۔ ۲۲ر شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ کو انتقال فرمایا۔ فوائد عثمانی مؤلفہ سید محمد اکبر علی مجددیؒ مطبوعہ مطبع اسلامی دہلی سے انتخاب و ترجمہ کر کے چند ملفوظات پیش ناظرین ''الفرقان'' کر رہا ہوں۔ آخر میں یہ بتا

---

[1] یہ مقالہ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ جلد ۳۹ شمارہ ۱، ۳، ۴، ۷ بابت محرم، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۳۹۱ھ موافق جنوری، مارچ، اپریل، جولائی ۱۹۷۱ء سے لیا گیا ہے۔ [2] حضرت مولانا حسین علی شاہ نقشبندیؒ کے مفصل حالات مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب ''تحدیث نعمت'' اور علمائے مظاہر علوم کی تصنیفی خدمات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (محب الحق)

دینا بھی مناسب ہے کہ مؤلف فوائد عثمانی دہلی کے باشندے تھے۔ خانقاہ مرشد کی خدمت اور حاضری کی آسانی کی وجہ سے مع اہل وعیال قصبہ موسیٰ زی میں مقیم ہو گئے تھے۔

سید محمد اکبر علی نقشبندی مجددی دہلویؒ جامع ملفوظات خواجہ محمد عثمان دامانیؒ ''فوائد عثمانی'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ ایک دن فدوی حاضر خدمت ہوا۔ اپنے باطن کے کچھ حالات لکھ کر پیر و مرشد کے سامنے پیش کیے۔ حضرت والا نے کچھ دیر کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا، وہ احوالِ فقیری جو بزرگوں نے کتابوں میں لکھے ہیں اس اخیر زمانہ میں پائے نہیں جاتے۔ گو اس وقت ہر شخص اپنے حوصلے اور استعداد کے مطابق کوشش کرتا ہے۔ موجودہ زمانے کے حالات دیکھتے ہوئے یہ بھی غنیمت ہے۔ اور یہ جو دوکاندار پیروں نے آج کل دوکانداری شروع کر رکھی ہے اللہ تعالیٰ ایسی پیری سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ پھر فرمایا کہ روز بروز جہّال کی کثرت ہوتی جارہی ہے اور یوماً فیوماً حالِ زمانہ ابتر ہوتا جارہا ہے۔ محض رسمِ فقیری باقی رہ گئی ہے۔ فقیری کہاں ہے؟

حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کے توکل وقناعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:
ہمیشہ عادتِ شریفہ یہ تھی کہ برائے خرچ خانقاہ، قرض لیتے تھے اور درویشوں پر صرف کرتے تھے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ کئی ہزار روپیہ نان بائی کا ان پر قرض ہو جاتا تھا۔ جب فتوحات پہنچتی تھیں تو اول قرضہ سابقہ ادا فرماتے تھے اور بقیہ کو خانقاہ شریف کے اخراجات میں لاتے تھے۔ جب وہ رقم ختم ہو جاتی تھی پھر قرض لینا شروع کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ عیالدار شخص کو توکل وقناعت بہت دشوار ہے۔ اگر وہ اپنے نفس پر قادر ہو کر توکل اختیار کر بھی لے تو اس کے زن وفرزند متوکل نہیں ہوتے..... چاہیے کہ وہ کوئی سا جائز کسب یا ہنر اختیار کرلے جس سے اکل حلال کی صورت نکل آئے۔ یہی سنت پیغمبران ہے۔ ''علٰی نبینا وعلیھم الصلوٰۃ والسلام''

مکتوباتِ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا درس شروع فرمایا: اثنائے درس میں حضرت والا نے فرمایا۔ فقہا نے حالت رکوع وسجدہ میں الصاق کعبین کو لکھا ہے۔ انھوں نے اس حدیث

کی مراد کو جو اس باب میں وارد ہوئی ہے ملحوظ نہیں رکھا۔ مراد حدیث محاذات اور تسویۂ صفوف ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجرؒ نے "مکہ معظمہ" سے ایک مکتوب اس فقیر اور مولوی غلام حسین صاحب کے نام بھیجا ہے۔

درس مکتوباتِ حضرت امام ربانی شروع ہوا۔ اثنائے درس میں حضرت والا نے فرمایا کہ: زمین ہندوستان[1] کو ایک شرف و امتیاز حاصل ہے کہ وہاں کا ادنیٰ جاہل بھی فہم و ذکاء اور عقل و فکر میں اس جگہ کے پڑھے لکھے سے فوقیت رکھتا ہے۔ اس ملک (سرحد) کے اکثر طلباء تحصیل علم کے لیے ہندوستان جاتے ہیں۔ اور عرصۂ قلیل میں تحصیل علم کر کے واپس آتے ہیں۔

ایک مرتبہ بکمالِ کسر نفسی بیان فرمایا کہ: میں گنہگار ہوں، کوئی عمل اپنے پاس نہیں رکھتا ہوں۔ بعد ازاں جوش کے ساتھ یہ دو شعر (عراقی کے) پڑھے۔

بزمین[2] چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد ☆ کہ مرا خراب کردی تو ز سجدۂ ریائی

بطوافِ[3] کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند ☆ کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

ایک دن مکتوباتِ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا درس شروع فرمایا۔ جب مکتوب بنام[4] جاناں بیگم آیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ: ہندوستان کو حق تعالیٰ نے فہم و ذکا اور علم و دانائی کی

---

[1] باشندگانِ سرحد تقسیم ملک سے پہلے بھی ہندوستان بول کر دہلی، دوآبہ اور اضلاع یو. پی. مراد لیتے تھے۔

[2] ترجمہ: جب میں نے سجدہ کے لیے سر رکھا تو زمین سے یہ آواز آئی کہ اے شخص! تو نے اپنے ریاکاری کے سجدہ سے مجھے خراب کر دیا۔ [3] میں کعبۃ اللہ کا طواف کرنے کے لیے چلا تو مسجد الحرام میں جانے کے لیے (قضا و قدر کی طرف سے) راستہ نہیں دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ تو نے باہر رہ کر کیا اچھے اعمال انجام دیے ہیں جو اندر آنے کی جرأت کر رہا ہے۔ [4] جاناں بیگم عبدالرحیم خانخاناں کی صاحبزادی تھیں۔ علم و کمال کے اس درجہ پر پہنچی ہوئی تھیں جس پر بہت سے مرد بھی نہیں پہنچ سکتے۔ فارسی میں شعر کہتی تھیں۔ ایک تفسیر قرآن بھی انھوں نے لکھی ہے۔ ۱۰۷۰ھ میں جاناں بیگم کا انتقال ہوا۔ ماخوذ از: نزہۃ الخواطر جلد پنجم۔ فوائد عثمانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ داماںؒ ایک سفر میں دہلی تشریف لائے اور وہاں سے سنبھل ضلع مراد آباد آئے۔ محمد امتیاز علی خاں راجپوت رئیس سنبھل کے مکان پر قیام فرمایا۔ سنبھل سے عبدالشکور خاں صاحب راجپوت رئیس دھرم پور کی درخواست پر دھرم پور تشریف لے گئے۔ غالباً چند مقامات اور بھی لکھے ہیں جن کو نوٹ نہیں کر سکا۔ محمد امتیاز علی خاں سنبھلی مرحوم کے نام حضرت خواجہ داماںؒ کا ایک مکتوب بھی فوائد عثمانی میں درج ہے۔ (فریدی)

دولت عطا فرمائی ہے۔ وہاں کے اکثر باشندے ذکی الطبع ہوتے ہیں (وہاں کی اکثر مستورات بھی ذکاوت اور علمی ذوق رکھتی ہیں) فقیر جس وقت ہندوستان گیا تھا اس وقت مستوراتِ ہندوستان کے مراسلات (بغرض اصلاح) فقیر کے پاس آتے تھے۔ ان کی عبارت عمدہ اور شائستہ ہوتی تھی اور الفاظ علمیہ ان میں مندرج ہوتے تھے۔

جامع ملفوظات لکھتے ہیں: ایک روز یہ خادم حاضر خدمت ہوا، حضرت والا نے تذکرہ مقام فنا فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ انسان کو جب اول درجے میں فناء کا مقام حاصل ہو گیا پھر اس کے بعد معرفت الٰہیہ کس طور سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ فنا سے مراد یہ ہے کہ طالب، دنیا کی خوشی سے شاد اور دنیا کی غمی سے غمگین نہ ہو اور اپنے تمام اعمال اور اپنی ذات نیز جمیع ممکنات کچھ نہ جانے۔ نیست و نابود سمجھے۔ اسی فنا کے میسر آ جانے کا نام معرفت الٰہیہ ہے۔

جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں: ایک دن حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا تم نے مراسلات کے جوابات لکھ لیے ہوں تو لاؤ ہمیں دکھاؤ۔ حسب ارشار جوابات مرقومہ ملاحظہ کے لیے پیش کیے۔ ان میں ایک خط حضرت حافظ محمد یار صاحب کے نام تھا جس میں میں نے فارسی زبان میں تعزیتی عبارت لکھی تھی (جس کا ترجمہ یہ ہے)

"واقعۂ جانگداز انتقال حضرت لعل شاہ صاحب مرحوم نے اس قدر غم
والم پہنچایا کہ حدِ تقریر و تحریر سے باہر ہے اور اس واقعہ نے جان و دل
پر ایسی آگ بھڑکا دی ہے کہ اس کا بجھنا ممکن نہیں۔"

اس عبارت کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا آئندہ اس طرح کے مبالغہ آمیز الفاظ کبھی نہ لکھنا اور خود اپنے دست مبارک سے اس عبارت کی بجائے ایک عبارت لکھی جس کا مفہوم یہ ہے:

"الحق! انتقال حضرت شاہ صاحب مرحوم (پسماندگان کے لیے)
ایک مصیبت ہے سخت۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق بحرِ غفران فرمائے

اور پسماندگان کو فیوض اولیاء کرام سے کامیاب کرے (آمین)"

پھر فرمایا کہ: فقیر نے کئی سال خدمت تحریر جواب خطوط، پیر و مرشد (حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ) کی خانقاہ میں انجام دی ہے۔

ایک دن میں نے ایک خط کے جواب میں ایک غریب و نامانوس لفظ استعمال کر دیا تھا (جس کو جامع نے لکھا ہے مگر سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لغت ہے) اس پر میرے پیر و مرشد نے فرمایا کہ خبردار! آئندہ اس طرح کا غریب و نامانوس لفظ مت لکھنا۔

ایک روز زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا کہ: اس زمانہ کے (بعض) علماء سمجھتے ہیں علم دین اور ہے اور علم تصوف اور ہے۔ علم پڑھتے ہیں اور سمجھتے نہیں کہ تمام فقہاء نے کتب فقہ میں متابعت خدا اور رسول کا مضمون لکھا ہے بس اس پر کما حقہ عمل کرنا یہی عین فقیری اور کمال تصوف ہے۔

ایک دن ایک شخص نے حضرت والا سے عرض کیا کہ فلاں جگہ ایک بزرگ ہیں وہ اپنے پاس کسی کو ملاقات کے لیے نہیں آنے دیتے۔ یہ سن کر اور تھوڑی دیر توقف کر کے فرمایا: ہمارے پیر و مرشد (حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ) ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، خادموں نے عرض کیا قبلہ! اگر بعدِ نماز عشاء کوئی شخص آپ کی ملاقات کو نہ آئے تو بہتر ہے تاکہ آپ کے آرام میں کوئی خلل نہ آنے پائے۔ پیر و مرشد نے فرمایا کہ جو بھی ملاقات کرنے آتا ہے اس کو کسی وقت بھی منع نہ کرو۔ خلق اللہ میں سے جو لوگ بھی برائے ملاقاتِ فقراء آتے ہیں وہ اپنے اخلاص کے مطابق فیض حاصل کرتے ہیں۔ جو شخص اخلاص زیادہ لاتا ہے وہ فیض زیادہ حاصل کرتا ہے جو اخلاص کم لاتا ہے وہ فیض کم لے جاتا ہے۔ اور جو بالکل اخلاص سے خالی ہوتا ہے وہ فیض سے بھی خالی ہاتھ جاتا ہے۔ پھر ایک مثال بیان فرمائی کہ جو لوگ بازار میں جاتے ہیں اپنی استطاعت و حیثیت کے مطابق سامان خریدتے ہیں۔ جس کے پاس رقم زیادہ ہوتی ہے وہ زیادہ اشیاء خریدتا ہے اور جو کم دام رکھتا ہے وہ اشیاء بھی کم خریدتا ہے اور جو

بالکل خالی ہاتھ ہوتا ہے وہ چیزوں سے خالی ہاتھ واپس ہوتا ہے۔

شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

اے تہی دست رفتہ در بازار ☆ تر سمت پُر نیا وری دستار

(اے وہ شخص کہ تو خالی ہاتھ بازار گیا ہے مجھے ڈر ہے کہ تو اپنے کپڑے کو چیزوں سے بھر کر نہیں لا سکے گا)

ایک روز حضرت والا حاضرین مجلس سے سخنان نصیحت آمیز فرما رہے تھے۔ اثنائے کلام میں حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کے چند کلمات طیبات بھی پیش کیے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے بھائی! ہوس اور چیز ہے، جانبازی اور چیز ہے۔ آج کل درویشی کیا ہے؟ لقمہ فروشی ہے۔ خدائے تعالیٰ ایسی درویشی سے جو دین فروشی ہو توبہ نصیب کرے۔ بس سب سے پہلے میں صحیح مسلمان ہو جاؤں پھر درویشی اختیار کروں''

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ فقیر عید الضحیٰ کے دن حاضر خدمت ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ: روزِ عید، عبادتِ مولیٰ کا دن ہے اور اس دن لوگ صبح سے شام تک فقیر کے پاس برائے مبارکبادی آتے ہیں۔ وقت فقیر خواہ مخواہ ضائع کرتے ہیں۔ کیا کروں کہ اس دن لوگوں سے روگردانی بھی مناسب نہیں سمجھتا۔

فرمایا کہ: درویشان خانقاہ کو کبھی کبھی خدمت خانقاہ کے کام میں مشغول رکھتا ہوں۔ اس زمانے کے درویش جو علم تصوف سے ناآشناء اور کوتاہ فہم ہیں۔ اُن کی سمجھ میں اس مشغول رکھنے کا فائدہ نہیں آتا۔ خانقاہ کے درویش گیہوں کی روٹی مع سالن کے صبح وشام پکی پکائی کھاتے ہیں اور کپڑا بھی بلامحنت ومشقت خانقاہ سے حاصل کر کے پہنتے ہیں۔ غرضیکہ ان کو خوراک وپوشاک کی کوئی فکر نہیں کرنی پڑتی۔ ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ ماسویٰ اللہ کے خطرات ووساوس ان کے قلوب میں پیدا ہو جائیں۔ اسی لیے میں ان کو کبھی کبھی کارِ خدمت

خانقاہ میں مصروف رکھتا ہوں کہ ان کے دل کسی دوسری طرف مائل نہ ہونے پائیں۔

''طلب العلم فریضة'' کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: جو کام مرد مومن اختیار کرتا ہے اس کا علم طلب کرنا فرض ہے۔ مثلاً ایک شخص ارادۂ حج کرتا ہے اس کے لیے مسائل حج کو سیکھنا اور یاد رکھنا فرض ہے اور جو شخص تجارت کرتا ہے مسائل بیع وشریٰ اُس کو جاننا فرض ہے اور جو مسکین وفقیر ہے اس کو مسائل زکوٰۃ کا طلب کرنا فرض نہیں۔ اسی طرح جو شخص مجرد ہے اُس کے لیے مسائل نکاح وطلاق جاننا فرض نہیں۔

فرمایا کہ: علم فقہ (میں غیر ضروری انہماک) صوفی کے قلب میں قدرے کثافت پیدا کرتا ہے لیکن ''جمال درستیِ عقائد'' اس نقصان کا تدارک کر دیتا ہے۔ اس ارشاد کے وقت جناب (مولانا) مولوی حسین علی شاہ صاحب[1] بھی حاضر خدمت تھے۔ حضرت پیر و مرشد نے اس خادم دیرینہ (جامع ملفوظات) کو حکم دیا کہ تسبیح خانہ سے مکتوبات امام ربانیؒ کی جلد اول لے آؤ۔ حسب الحکم میں وہ جلد لایا۔ حضرت والا نے جناب مولوی صاحب کو ''مکتوب[2] ہشتم'' کی ایک عبارت دکھائی۔ (جس کا ترجمہ یہ ہے)

> ''اہل سنت کے علماء ظاہر اگر چہ بعض اعمال میں (کچھ) کوتاہی
> کرتے ہوں لیکن ذات و صفات خداوندی کے بارے میں ان کا
> ''جمالِ درستی عقائد'' اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ ان کی کوتاہی اس

---

[1] حضرت مولانا حسین علی شاہ نقشبندی مجددیؒ ضلع میانوالی پنجاب کے ایک غیر معروف خاندان اور ایک غیر معروف گاؤں ''واں بھچراں'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شخصیت کی وجہ سے خاندان اور گاؤں کو شہرت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے تفسیر وحدیث پڑھا۔ پھر حضرت خواجہ محمد عثمان داماںیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اور سلوک کے تمام مراحل طے کر کے خلافت حاصل کی۔ حضرت مولاناؒ صاحب تصنیفات، جید عالم اور ایک بلند پایہ کامل درویش تھے۔ توحید اور اتباع سنت کا غلبہ تھا۔ بڑے بڑے علماء، فضلاء آپ کے شاگرد اور مرید تھے۔ اصلاح وتبلیغ کا کام بڑے پیمانہ پر انجام دیا۔ پچاس سال مسلسل خدمت اسلام کر کے ۱۹۴۴ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سوانح حضرت مولانا حسین علی مؤلفہ مرزا محمد یعقوب خطیب۔ [2] یہ مکتوب اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ (فریدی)

کے سامنے مضمحل و ناچیز معلوم ہوتی ہے۔ بعضے لوگ جو بتکلف صوفی
بن گئے ہیں چوں کہ ذات وصفات باری میں اس قدر درستی عقیدہ
نہیں رکھتے۔ اس لیے باجود ریاضات و مجاہدات کے ان میں وہ
جمال نہیں پایا جاتا۔ اس لیے (بنابریں) علماء اور طلباء علوم کی محبت
میرے دل میں بہت زیادہ پیدا ہوگئی ہے۔ ان کی طرز وروش پسند آتی
ہے۔ آرزو کرتا ہوں کہ علماء وطلباء کے ہی جرگے اور گروہ میں رہوں
(آج کل) تلویح اور ہدایہ کا ایک طالب علم سے مذاکرہ کرتا ہوں۔
غرضیکہ معیت واحاطۂ علمی میں علماء کا شریک ہوں۔"

ایک دن ارشاد فرمایا کہ: طالب سلوک کے اسباب فتور میں سے قوی ترین سبب یہ ہے کہ وہ طالب ایسے شیخ ناقص کی طرف رجوع کرے جو سلوک و جذبہ کا ناتمام اور ادھورا کام انجام دے کر مسند مشیخت پر بیٹھ گیا ہے۔ طالب کو ایسے شخص کی صحبت پستی کی طرف لے جاتی ہے اور اوپر سے نیچے پھینکتی ہے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کا ارشاد ہے کہ:

"جس طالب کا مادۂ استعداد مختلف (اور ناموافق) صحبتوں کی وجہ
سے فاسد ہوگیا ہو اس کا کامیاب ہونا دشوار ہے۔ اہل تدبیر کی صحبت
کے بغیر اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور اہل تدبیر کمیاب ہیں۔ کبریتِ
احمر کا حکم رکھتے ہیں۔"

ایک دن ارشاد فرمایا کہ: ہر ایک نے (مثنوی مولانا رومیؒ) کا یہ شعر یاد کر رکھا ہے اور لوگ اپنی تحریروں میں بھی لکھتے ہیں ؎

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ ☆ تیر جستہ باز گرد اند ز راہ

(اولیاء اللہ کو اللہ کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو راستہ سے لوٹا دیں) مگر اس شعر کو (کما حقہ) سمجھتے نہیں۔ درحقیقت جس وقت اولیاء کو سختی اور لاچاری و

بے بسی کی حالت پیش آتی ہے (نیز اضطرار کا عالم ہو جاتا ہے) اُس وقت اس طرح کی کرامت و خرق عادت کا (منجاب اللہ) ظہور و صدور ہوتا ہے۔ (ہر وقت یہ بات نہیں ہوتی) پھر حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ کی ایک کرامت کا واقعہ سنایا۔

ایک دن (مرتب ملفوظات) بحضور فیض گنجور.... حاضر ہوا جناب شاہ سید محمد برادرزادۂ حضرت لعل شاہ مرحوم بھی مجلس میں بیٹھے تھے۔ ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اس فقیر کی یہ نصیحت یاد رکھو کہ کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا۔ یہی نصیحت حضرت پیر و مرشد (حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ) نے فقیر کو بارہا فرمائی تھی کہ کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا۔

ایک دن بخدمت حضرت قبلہ حاضر تھا۔ حضرت والا نے نمازِ فجر کی امامت کے لیے اس خادم کو حکم فرمایا۔ حسب ارشاد مصلّے پر چلا گیا اور پہلی رکعت میں سورۂ ''جمعہ'' اور دوسری رکعت میں سورۂ ''عم یتساء لون'' کو پڑھا۔ ختم خواجگان اور حلقے سے فارغ ہونے کے بعد اس عاصی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''تم کو کبھی کبھی امامت کرنی پڑتی ہے اس لیے اس مسئلہ کو یاد رکھو کہ طول قرأت باعتبار آیات نہیں ہے بلکہ باعتبار کلمات وحروف ہے۔ پھر ملا مسکین کی ''شرح کنز'' اور ''عقود جواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ'' کا حوالہ دیا (مقصد ارشاد یہ تھا کہ سورۂ جمعہ سورہ عم سے باعتبار کلمات وحروف چھوٹی ہے اگر چہ آیات کے لحاظ سے بڑی ہے اور فجر کی پہلی رکعت میں دوسری رکعت کے مقابلہ میں قدر بڑی صورت ہونی چاہیے تھی)

ایک دن حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ: انسان بیچارے نے اپنی اصل کو فراموش کر کے لباس انانیت پہن لیا ہے۔ اگر وہ اپنی اصل کو یاد رکھتا تو اس کو بجز عجز وانکسار کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔ شکستگی و نیستی کو اپنا پیرایہ بناتا۔ بعد ازاں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الانسان من سللۃ من طین (تا) فَتَبارک اللہ اَحْسن الخالقین''[1]

[1] اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (غذا) سے بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے........ مسلسل

بعد ازاں فرمایا کہ اس مضمون کو پیش نظر رکھ کر مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ۔

مولوی گشتی و آگہ نیستی ☆ از کجا و در کجا و کیستی

از خودی آگاہ نئی اے بے شعور ☆ بر چنیں علمت نباید شد غرور

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ایک روز قبل از نماز فجر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اس زمانہ میں ارکان اسلام وایمان کی ادائیگی میں فتور واقع ہو گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "بنی الاسلام علی خمس "یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ یہ پانچ چیزیں بھی (ادائیگی کے لحاظ سے) اپنی حالت پر نہیں۔ اصل کو معیوب اور معیوب کو مطلوب طبائع بنالیا ہے۔ نیز فرمایا کہ اس زمانہ کے لوگ، طالب کشف وکرامات ہیں، فقیری کو کشف کرامات پر منحصر کر کے مقصود سے "بمراحل" دور ہو گئے ہیں۔ فقیری سے مقصود وہ ہے جس کو آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے (بغرض تعلیم امت) بیان فرمایا تھا "ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک " (اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ بات حاصل نہ ہو تو پھر یہ دھیان رکھ کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے)

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ایک دن بوقت تہجد حاضر تھا۔ بکمال مہربانی احقر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ: لوگ برائے حصول معاش کس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ بطور حیلہ وتدبیر ملازمت نصاریٰ، تجارت مال، زراعت، مزدوری، صنعت و حرفت وغیرہ اختیار کرتے ہیں۔ ان تمام محنتوں اور مشقتوں کے برداشت کرنے کا مقصد صرف روٹی کا حاصل کرنا ہے۔ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ اور دیگر طُرق کے باکمال اہل اللہ بھی طالبان خدا اور درویشانِ باصدق وصفا کو کثرت ذکر، قلت طعام، قلت کلام، تسبیح وتہلیل،

مسلسل..... لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء کو) ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو دوسری طرح کی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ (فریدی)

مراقبہ ومجاہدہ کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسے اوراد و افکار میں اپنے وقت کو مشغول رکھنے کی تلقین کرتے ہیں جن کا ثبوت صحیح احادیث سے ملتا ہے۔ ان بزرگوں کا مقصود، یادِ الٰہی اور عشق الٰہی ہے تاکہ ماسویٰ اللہ سے تعلق منقطع ہو اور حب جاہ وریاست دل میں نہ رہے۔ پروردگار عالم کو شرکت پسند نہیں۔ حسب مضمون ''الا للہ الدین الخالص '' حق تعالیٰ اپنے بندوں سے دین خالص چاہتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ شریعت غرّا میں (بعد تصحیح عقائد) وقت پر نماز روزہ کا ادا کرنا، نصاب کے بقدر مال ہونے اور سال گزرنے پر زکوٰۃ دینا، شرائط کی موجودگی میں حج کرنا، گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے اجتناب کرنا، حلال وحرام کا خیال رکھنا اور تمام منہیات سے پرہیز کرنا۔ یہ اعمال برائے نجات کافی ہیں۔ بموافق ارشاد خداوندی ''لایُکَلِّفُ اللہُ نَفساً الا وُسْعَهَا '' (اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا) لیکن درجۂ افضلیت بغیر دوامِ حضور اور بغیر ذوق وشوق اور بغیر جمعیت قلبی و استغراق حاصل نہیں ہوتا۔ بموافق حدیث جبرئیل۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''احسان'' یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کر گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے اور یہ بات حاصل نہ ہو سکے تو یہ تصور کر کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔

جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ: ایک دن بعد از صلوٰۃ عصر حضرت والا ختم خواجگان پڑھنے کے واسطے بیٹھے تھے۔ اس وقت ایک عورت حضرت حاجی حرمین خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کے مزار پر آئی اور اپنا سر سجدۂ تعظیمی کے لیے جھکا دیا۔ اتفاق سے حضرت والا کی نگاہ اس حرکت پر پڑگئی۔ فوراً ایک خوفناک آواز سے اسے ڈانٹا: اے بدبخت! کیا کرتی ہے، قبور پر سجدہ کرنا حرام ہے۔ ڈانٹ سنتے ہی فوراً وہ عورت سجدہ سے باز آگئی۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ: کسی شخص نے ایک لوہار کے لڑکے سے دریافت کیا تھا کہ تیرا باپ (کارخانہ سے) جلدی آجائے گا یا دیر میں؟ لڑکے نے کہا کہ اگر میرے باپ نے کام میں جلدی کی تو دیر میں آئے گا۔ کام کو دیر میں انجام دیا تو جلدی آئے گا۔ سننے والوں نے

تعجب سے دریافت کیا اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا کیوں ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ اگر گرم لوہے کے کام میں جلدی کرے گا تو اس کے اندر کچھ چنگاریاں زندہ باقی رہ جائیں گی اور جس تھیلے میں وہ لوہا ڈال کر لا رہا ہوگا راستہ کی ہوا سے چنگاریوں کے بھڑک جانے کی وجہ سے وہ تھیلا جل جائے گا (ظاہر ہے کہ اس وجہ سے آنے میں دیر لگے گی) اور اگر اس نے سہولت سے کام کیا اور اس لوہے کی تمام چنگاریاں اچھی طرح بجھا کر لوہا تھیلے میں ڈالا تو راستہ میں کوئی خطرہ پیش نہ آئے گا اور بآرام تمام جلد اپنے گھر آ جائے گا۔ غرض اس حکایت سے یہ ہے کہ طالبوں اور متعلموں کو چاہئے کہ اول کارِ علم کی بنیاد پختہ اور مضبوط کریں (چاہے دیر لگے) تاکہ باقی تعمیر پختہ ہو۔ اگر پہلے ہی سے (جلدی میں) بنیاد کمزور رکھی گئی تو آگے کی تعمیر بھی کمزور اور بودی رہے گی۔

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ: حضرت والا سے مولوی نور خاں نے عرض کیا کہ حضرت! کثرتِ وِردِ اسمِ ذات و نفی و اثبات کے باعث غصہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ: خداوند کریم تمہارے غصہ کو محض اپنے لیے بنا دے۔ پھر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ قبلہ! جی میں یہ آتا ہے کہ کہیں نکل جاؤں اور وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر اچھی طرح کروں۔ اس لیے کہ گھر میں رہ کر ذکر کی کثرت غصہ کا سبب بن رہی ہے۔ فرمایا ایسا نہ کرنا چاہئے۔ تمہارے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں وہ علم سے بے بہرہ رہ جائیں گے۔ اور تمہارے غصہ کا سبب یہ ہے کہ تمہارے اندر عقل معاد زیادہ ہے اور عقل معاش نہیں ہے۔ اس زمانے میں ہر شخص اپنے اغراض کے مطابق بلا لحاظ شرع کام کرتا ہے۔ یہی بات موجب غصہ ہو جاتی ہے..... پھر فرمایا کہ جو کپڑا سفید ہوتا ہے۔ اُس پر داغ دھبہ فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور جو کپڑا میلا ہوتا ہے اس پر کوئی داغ اپنا اثر نہیں کرتا اور کوئی کدورت ظاہر نہیں ہوا کرتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر موجب صفائی دل ہے۔ ایسی حالت میں جب کوئی امر، خلاف شرع سامنے آتا ہے تو غصہ کا سبب بن جاتا ہے اور جو دل، ذاکر نہیں۔ مکدر ہے۔ اُس پر خلافِ شرع بات سے کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ایک دن حضرت والا نے فرمایا کہ: دل میں آتا ہے کہ اپنا تمام کتب خانہ باسم مبارک حضرت مرشدنا و مولانا حاجی دوست محمد صاحبؒ اپنی حیات میں وقف کر دوں۔ ایسا کرنے میں تین فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ ہمیشہ پیر و مرشد کی روح کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کتابیں تنازعِ تقسیم سے محفوظ ہو جائیں گی اور میرے ورثہ کہیں گے کہ یہ کتابیں وقف ہیں۔ ہماری ملکیت میں نہیں ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ میرے تینوں لڑکے بھی حسب دلخواہ ان کتابوں سے علمی نفع اُٹھاتے رہیں گے۔

جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حاضر خدمت اقدس ہوا۔ حضرت والا حاضرین کو نصیحتیں فرما رہے تھے۔ بعد ازاں میری جانب متوجہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ: اس زمانہ کے درویش جو روٹی سالن کے ساتھ چٹنی اور اچار استعمال کرتے ہیں اگر اس نیت سے استعمال کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک عمدہ سالن ہے کہ روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے تو جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات سے سالن کو معلوم فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ''سرکے'' کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سرکہ'' منگوایا اور اسی سے کھانا تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ''سرکہ اچھا سالن ہے'' اور اگر کوئی اس خیال سے چٹنی اور اچار استعمال کرتا ہے کہ اس سے بھوک خوب ہوگی اور خوراک زیادہ کھائی جائے گی تو پھر ناجائز ہے۔ پھر فرمایا کہ دو سالن (دستر خوان پر) جمع نہ کئے جائیں اس لیے کہ روٹی کے ہمراہ دو قسم کے سالن طریقہ صوفیا کے خلاف ہیں۔

ایک دن حاجی حافظ محمد خاں صاحب ترینؔ، خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت والا نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: بیشک، انسان کے لیے کتب بینی، نعمت عظمیٰ ہے۔ مگر کارِ سلوک بغیر حصولِ باطن اور بغیر دوام کثرت ذکر، حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: حافظ قرآن اگر باخلاص نیت، خالصاً لوجہ اللہ۔ قرآن شریف پڑھتا ہے تو

غنا (خوشحالی) اس کی بغل میں رہتی ہے۔

ملا فقیر محمد سوداگر نے حضرت والا کی خدمت میں ایک عریضہ ''بمبئی'' سے روانہ کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ امسال گرانی غلہ حد سے گزر گئی ہے، اور اطراف و جوانب سے صدائے قحط سالی آرہی ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ میں چند ہزار روپے کے ''انگور'' خرید کر برائے تجارت بمبئی لایا ہوں تادم تحریر عریضہ وہ انگور فروخت نہیں ہوئے، نقصان عظیم کا خوف ہے، دوسری بات یہ ہے کہ شہر بمبئی میں ایک مرض مہلک ظاہر ہوا ہے کہ پنڈلی کے اوپر ایک دانہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا ورم اوپر کو چڑھتا ہے۔ کچھ گھنٹوں کے بعد مریض، دارِ فانی سے ملک جاودانی کی طرف رخصت ہو جاتا ہے۔ اس مرض کے خوف سے کئی لاکھ باشندگانِ بمبئی شہر چھوڑ چھوڑ کر اطراف میں بھاگ گئے ہیں۔ لہٰذا دعا کی درخواست ہے، دعائے غائبانہ سے اس خادم کو فراموش نہ فرمائیں اور پڑھنے کے واسطے کوئی وظیفہ عنایت فرمادیں جو ان پریشان کن حالات میں مفید ہو۔

حضرت والا نے اس خادم (جامع ملفوظات) سے فرمایا کہ اس خط کے جواب میں لکھو دو کہ کثرت استغفار کو اپنا وظیفہ بنالیں، یہ استغفار تمام حالات اور مہمات میں مفید ہوگا۔ خود خداوند کریم (حضرت نوحؑ کے وعظ کی حکایت کرتے ہوئے) فرماتا ہے ''فقلت استغفروا ربکم انه کان غفاراً یُرسِلِ السماء علیکم مدراراً و یمدد کم باموالٍ و بنین و یجعل لکم جنٰت و یجعل لکم انهراً مالکم لا ترجون لله وقاراً''[1]

پھر فرمایا کہ ایک بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان کے پاس آتے تھے اور وظیفہ معلوم کرتے تھے، وہ بزرگ ہر ایک کو ہر ایک حاجت کے لیے استغفار پڑھنے کی تاکید فرمادیا

---

[1] میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے استغفار کرو یعنی گناہ بخشواؤ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے پھر وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ لگا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو۔ (ورنہ شرک نہ کرتے) (فریدی)

کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے ان سے عرض کیا آپ تمام مطالب و مقاصد کے لیے استغفار ہی بتاتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے علاوہ استغفار کے اور کوئی عمل ایسا معلوم نہیں ہے کہ وہ حل مشکلات و مہمات دارین میں مفید ہو۔

ایک دن حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ: اس زمانے کے پیروں نے جو پیری مریدی، شروع کر رکھی ہے۔ اگر یہ سلسلہ کسی نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ فلاں امیر یا فلاں سوداگر میرا تابع و مطیع ہو جائے تا کہ دنیاوی منفعت اس سے حاصل ہو پس یہ صورت مسلک صوفیا میں شرکِ جلی ہے اس لیے کہ رزاق مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس پیر نے تکیہ اور بھروسہ غیر اللہ پر کیا۔ اور اگر اس خیال سے پیری کرتا ہے کہ میں صاحب فیض ہوں دوسروں کو فیضیاب کروں گا، اس کو بھی پیرانِ کرام کے طریقے میں شرک جلی قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ مبداء فیض ذات حق تعالیٰ ہے اور وہ اس کے برعکس خود کو مبداء فیض تصور کرتا ہے۔

بزرگانِ اہل تصوف اور صاحب نسبت اکابر نے جو کچھ لکھا ہے اور وہ جو اجرائے طریقہ کرتے ہیں ان کا مقصد دوسرا ہے، وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فیض عطا فرمایا ہے اور وہ فیض ہر وقت ہم سے پرنالے کے پانی کی طرح بہہ رہا ہے اور وہ رائیگاں جا رہا ہے۔ پس وہ چاہتے ہیں اور جستجو کرتے ہیں کہ لوگ اس نعمت عظمیٰ سے فیضیاب ہوں۔ اسی خیال سے ان کو مرید کرتے ہیں اور توجہ فرما کر لوگوں کے قلوب میں القاء فیض کرتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کے فیض میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ایک دن احقر حاضر خدمت ہوا اس وقت محفل مبارک میں قاضی صاحب (غالباً قاضی شہر) بھی موجود تھے۔ انھوں نے حضرت والا کی خدمت میں اس حقیر کے بارے میں عرض کیا کہ ''یہ حضرت والا کے ملفوظات و مکتوبات نصائح، سوانح اور حالات جمع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انھوں نے لوگوں پر بڑا احسان کیا ہے۔'' حضرت والا نے از کمال کسر نفسی ارشاد فرمایا کہ: میں کیا اور میرے

ملفوظات و مکتوبات ہی کیا؟ ایک لحظے کے بعد احقر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ نصائح فقیر جو تم نے جمع کیے ہیں اگر یہ کام محض اپنے نفس کے لیے کیا ہے تو یہ تمہارے اوپر (اور تمہارے برخلاف) حجت ہے اور اگر (اللہ کے لیے اور) اس خیال و نیت سے اس کام میں محنت کی ہے اور اپنے اوقاتِ عزیز لگائے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو اس سے دینی فائدہ حاصل ہو تو یہ کام تمہارے لیے صدقۂ جاریہ بن جائے گا۔ پھر فرمایا کہ اس دورِ پُرفتن میں لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف پر عمل نہیں کر رہے ہیں، میرے ملفوظات اور مکتوبات کیا کرلیں گے؟ پھر فرمایا کہ تم کو چاہیے کہ ذکر و مراقبہ اور شب خیزی میں برابر مشغول رہو اس لیے کہ یہی کام کا وقت ہے کہ صحت و جوانی کا عالم ہے، بڑھاپے میں سوائے افسوس کے اور اوقات گذشتہ پر ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ (بعدازاں یہ شعر پڑھا)

دادیم ترا ز گنجِ مقصودِ نشاں ☆ گرما نرسیدیم تو شاید برسی

ترجمہ: ہم نے تجھ کو گنج مقصود کا پتہ بتا دیا ہے اگر ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکے تو شاید تو وہاں تک پہنچ جائے۔

ارشاد فرمایا کہ: مرشدنا و مولانا حضرت حاجی دوست محمد قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ ذکر قلبی میں مشغول رہے یہاں تک کہ موت کے وقت بھی یہی کیفیت طاری ہو۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ بحکم حدیث ''جددوا ایمانکم یقول لاَ اِلٰهَ اِلا اللہ'' ہر وقت تجدید ایمان اس کلمے سے کرنی چاہیے۔

ذکر کن ذکر تا ترا جان است ☆ پاکئ دل ز ذکر رحمٰن است

ترجمہ: جب تک تیری جان میں جان ہے ذکر رحمٰن کیے جا۔ ذکر رحمٰن سے پاکی دل حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: اگر کوئی مشکل پیش آجائے تو آدمی کو چاہیے کہ صدق دل سے توبہ کر کے گریہ وزاری اور نیازمندی کے ساتھ خداوند کریم سے اس مشکل کا حل چاہے خداوند

کریم اس مشکل کو آسان فرمادے گا۔

ارشاد فرمایا: جس وقت بندہ اپنے صفات و افعال کو کچھ نہ سمجھے گا اور اُن کو منسوب بخدا کردے گا تو اس کے بعد وہ جو کوئی نیکی کرے گا اس کے دل میں کبھی یہ خیال نہ آئے گا کہ یہ نیک کام میں کرتا ہوں۔ جیسے ایک خادم اپنے آقا کے حکم سے اور اس کی اجازت سے کوئی چیز تقسیم کرتا ہے تو اس کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ میں یہ چیز دے رہا ہوں بلکہ اپنے آقا کی طرف سے سمجھتا ہے اور خود کو مفلس و مسکین تصور کرتا ہے۔

ایک دن مولانا حسین علی شاہ صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: مولوی حسین علی صاحب۔ تم کو جو مسائل، مستحضر نہیں رہتے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم کو (اچھی طرح) خیال عمل نہیں رہتا۔ مجھ کو (الحمدللہ) خیال عمل رہتا ہے اس لیے مسائل ضروریہ، دینیہ مجھے یاد ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: رسوم عوام سے اور حسب رسوم شادی بیاہ میں زیادہ خرچ کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مولوی نور خاں صاحب کو مخاطب کر کے بارہا یوں ارشاد فرمایا کہ: تہلیل اور ذکر اسم ذات زیادہ سے زیادہ کرو۔ وقت نزع بجز کلمہ طیبہ کوئی مشغلہ اور کوئی آشنا خویش کام نہیں آئے گا سب اس بات کے خواہاں اور منتظر ہوں گے کہ اس مبتلائے نزع کی زبان سے کلمہ طیبہ نکلے۔ جو مشکل بھی پیش آئے کلمہ طیبہ اور اسم ذات کی کثرت کرو اور مشکل کا حل زاری و نیازمندی کے ساتھ خداوند کریم سے طلب کرو۔ برابر کلمہ طیبہ میں مشغول رہو اور کسی سے (بلاضرورت دینی) آشنائی و علاقہ نہ رکھو۔ سب ضرر رساں ہیں اور بغیر غرض کے کوئی دوستی نہیں کرتا (الا ماشاء اللہ) جس قدر اہل و عیال پر خرچ کرو وہ بلحاظ شرع اور بطور شرع ہو۔ کلمہ طیبہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ خطرات اور رذائل کو دور کرتا ہے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ خانقاہ شریف برائے ذکر ہے، مطالعہ کتاب کی جگہ نہیں۔ مطالعہ کتاب گھر پر ہونا چاہئے۔ ہاں! ایسی کتاب جو معاملہ ذکر سے تعلق رکھتی ہو اس کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ذکر خوب کرو تا کہ عادت ہو جائے۔

ارشاد فرمایا کہ: کم کھاؤ اور سادہ لباس پر اکتفا کرو۔ پھر فرمایا کہ میں کیا کرسکتا ہوں جب تک تم ہی خود محنت نہ کرو۔ صبر اختیار کرو اور تمام امور میں بدرگاہ الٰہی یوں کہو

انت کافٍ انت شافٍ فی مھمات الامور

انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل

ترجمہ: تو میرے لیے کفایت کرنے والا ہے، تو ہی تمام مشکلات و مہمات کو حل کرنے والا ہے، تو میرے لیے کافی ہے اور میرا بہترین کارساز ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: مقصود طریقہ یہ ہے کہ سختی و خوشحالی کے وقت قلب میں کوئی خلل نہ آنے پائے۔ فرمایا: شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی کو ظاہر کرنے والی اس سے زیادہ کون سی آیت ہوگی جس میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے "من یطیع الرسول فقد اطاع اللہ" (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی) پھر فرمایا اس آیت سے زیادہ ڈرانے والی کون سی آیت ہوگی جس میں فرمایا گیا ہے "ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم" (بے شک اُن کو ہماری طرف رجوع ہونا ہے پھر بیشک ان کا حساب ہمارے اوپر ہے یعنی ہم ان سے حساب لیں گے۔)

ارشاد فرمایا: ہجوم خطرات و وساوس سے تنگ دل نہ ہونا چاہئے۔ ذکر میں مشغول رہو اور خطرات و وساوس کو دور کرنے کے لیے استغفار کرتے رہو۔

ارشاد فرمایا کہ: ہماری ریاضت تو دہقان کی تلاوت قرآن کی طرح ہے کہ دن بھر کھیتی کے کام کرتا ہے اور جب کچھ فراغت ہوتی ہے تب تلاوت کر لیتا ہے۔

فرمایا کہ: سالک کو چاہئے کہ خشک روٹی نہ کھائے ایسا نہ ہو کہ دماغ خشک ہو جائے۔ مولوی نور خاں نے عرض کیا کہ قبلہ! اگر درودِ خالص (ماثور) پڑھتا ہوں تو تاثیر زیادہ معلوم ہوتی ہے بہ نسبت "دلائل الخیرات" کے۔ جواب میں ارشاد فرمایا... ہاں! دلائل

الخیرات میں درود خالص کی طرح تاثیر نہیں ہے اس لیے کہ وہ خالص کلام رسول اللہ صلی علیہ وسلم نہیں ہے کلام غیر رسول بھی اس میں متمزج ومخلوط ہے۔

صاحب فوائد عثمانی سید محمد اکبر علی شاہ نقشبندی دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ بتاریخ ۳ر محرم الحرام ۱۳۱۳ھ بروز پنجشنبہ بعد از نماز عصر یہ خادم دیرینہ حاضر خدمت تھا۔ حضرت والا نے اپنے کچھ ابتدائی حالات سناتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہمارا آبائی وطن شہر لونی (؟) ہے۔ ایک مرتبہ میں اپنے بھائی محمد سعید کے پاس ان کے کپڑے پہنچانے کے لیے کھوٹیہار (؟) گیا میرے بھائی وہاں پر ماموں نظام الدین صاحب کے پاس ''یوسف زلیخا'' پڑھ رہے تھے۔ ماموں صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیر ومرشد کو بھی جانتے ہو؟ ان کا نام نامی حضرت حاجی دوست محمد ہے۔ وہ فلاں قصبے کے قریب (جوڈیرہ اسماعیل خاں میں ہے) رہتے ہیں۔ اگر ان کی کوئی خیر خبر رکھتے ہو تو بیان کرو۔ میں نے کہا کہ مجھے ان کی کوئی خبر نہیں مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کے پیر ومرشد کون بزرگ ہیں اور کہاں قیام رکھتے ہیں؟ جب میں واپس ہونے لگا تو ماموں صاحب نے فرمایا کہ میرے پیر ومرشد کی قیام گاہ تمہارے راستے ہی میں ہے وہاں سے گزر ہو تو ان کو میرا اسلام پہنچا دینا اور عرض کرنا کہ آپ کے درویش (خدام) جو فلاں مقام پر ہیں کل حاضر خدمت ہونے والے ہیں۔ چنانچہ میں اس مقام پر پہنچا جہاں حضرت حاجی دوست محمدؒ قیام پذیر تھے اور بطور عابر سبیل (کھڑے کھڑے) حضرت صاحبؒ کی خدمت میں گیا۔ اور ماموں صاحب کا سلام پہنچا دیا۔ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے درویش وہاں سے یہاں کب آئیں گے؟ میں نے عرض کیا کل آئیں گے۔ بس اسی قدر گفتگو کر کے میں وہاں سے روانہ ہو گیا اور اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر اسباق کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد غلبۂ ذوق وشوق لاحق ہوا۔ ہر وقت استغراق کی سی کیفیت طاری رہتی تھی حتیٰ کہ مطالعۂ کتاب وسبق بھی چھوٹ گیا، میں نے اپنے استاذ سے عرض کیا کہ اب مجھ سے تحصیل علم نہیں ہوتی۔ روز بروز محبت الٰہی کا

غلبہ ہو رہا ہے۔ میرا مصمم ارادہ ہے کہ کسی اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہو جاؤں۔ استاذ صاحب نے فرمایا کہ ''ہدایہ'' کا کچھ حصہ باقی ہے اس کو ختم کر لو اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ پھر ہم دونوں کسی بزرگ سے ایک ساتھ بیعت ہوں گے۔ میں نے کہا کہ ہدایہ کے ختم کرنے کے انتظار میں چند روز اور ٹھہرنا ہوگا اور مجھ کو اضطراب بدرجہ کمال ہے۔ استغراق جو کہ ہر وقت غالب ہے، کوئی کام کرنے نہیں دیتا۔ میں کل (اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے) چلا جاؤں گا۔ اسی اثناء میں استاذ صاحب کے برادر کلاں نے جو کہ استاذ کے استاذ تھے، فرمایا کہ اگر تمہارا فقیری اختیار کرنے کا پختہ ارادہ ہے تو مناسب یہی ہے کہ اس کام کے لیے کمر ہمت کس لو۔ میں نے بیان کیا کہ اب تہہ دل سے یہی آواز نکلتی ہے کہ حضرت حاجی دوست محمد کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بیعت ہو جاؤں۔ بعد ازاں پیر و مرشد کے آستانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ فقط دوپہر کو کسی جگہ آرام کر کے پاپیادہ غروب آفتاب تک چلتا تھا۔ گرمی کا زمانہ تھا مگر گرمی کی کوئی پرواہ نہیں تھی، غلبۂ نسبت کی وجہ سے ایک سخت حرارت میرے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ اثنائے راہ میں ایک نہر میں غسل کیا۔ بالآخر ۸؍ جمادی الثانیہ ۱۲۶۶ھ کو جمعہ کے دن عصر کے وقت حضرت حاجی دوست محمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے انکار کیا اور فرمایا کہ فقیری اختیار کرنا (کھیل نہیں ہے) بہت مشکل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں محض بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور ہر چیز کے تعلق سے میں نے اپنے دل کو آزاد کر لیا ہے۔

حضرتؒ نے ارشاد فرمایا: اچھا ابھی ٹھہرے رہو۔ بعد نمازِ مغرب مجھے شرف بیعت سے مشرف فرمایا۔ اس وقت میری ایک عجیب و غریب حالت ہو گئی تھی۔ بیعت سے پہلے میں علم صرف، نحو، عقائد، فقہ، اصول فقہ، تفسیر اور دیگر علوم ضروریہ پڑھ چکا تھا اور وہ یاد بھی تھے۔ بیعت کے بعد علم حدیث میں مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع

ترمذی، سنن ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) علم اخلاق میں احیاءعلوم کامل اور علم تفسیر میں معالم التنزیل مکمل اور علم سیئر تمام وکمال اور علم تصوف میں مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ ہر سہ جلد اور مکتوباتِ حضرت خواجہ محمد معصومؒ ہر سہ جلد بتحقیق تمام اور دیگر کتب تصوف کماحقہ سنداً اپنے پیرومرشد (حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ) سے پڑھیں۔

ایک دن حضرت پیرومرشد حضرت حاجی صاحب قندھاریؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ: تمہیں وہ دن یاد ہے کہ تم اپنے ماموں کا سلام مجھے پہنچانے آئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے یہ حاضری خوب یاد ہے۔ بعدازاں زبانِ گوہرفشاں سے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس دن تمہاری پیشانی میں اپنے حضرات کی ''نسبت'' مشاہدہ کی تھی۔ اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ شخص ضرور ہمارے حضرات کی نسبت سے رنگین اور مالا مال ہوگا۔ اس کے بعد بہت دن گزر گئے کہ تم نہیں آئے۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید کشف میں غلطی واقع ہوگئی۔ آج وہ بات ظہور میں آئی ہے۔ حضرت پیرومرشد مجھ سے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ ''تمہارے لیے مناسب یہی ہے کہ کچھ علم منطق بھی پڑھو۔'' میں عرض کر دیتا تھا کہ حضرت! منطق پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ منطق اللہ کے راستے میں مقصود اور ضروری بھی نہیں ہے۔ پھر ایک دن حضرت پیرومرشد (حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ) نے فرمایا کہ مجھ سے ایک سفید ریش (داڑھی) بزرگ نے (خواب میں یا مراقبہ میں) فرمایا ہے کہ عثمان کو علم منطق پڑھنے پر مجبور نہ کرو۔ علم منطق اللہ کے راستے میں مقصود نہیں ہے۔

مقالہ[۱] (۸)

مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ

اور ان سے متعلق

حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ و حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

کی نادر تحریرات

حضرت مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادی، مرادآباد کے ایک علمی خاندان کے باکمال فرد تھے۔ وہ عالم بھی تھے، صوفی و درویش بھی تھے، حاذق طبیب اور نباض بھی تھے اور فارسی و اردو کے شاعر و ادیب بھی تھے۔ محلہ نواب پورہ سے متصل محلہ بغیہ میں ان کی سکونت تھی۔ اکابر ملت سے ان کو جو علمی و روحانی تعلق تھا اس کی بنا پر ان کی شخصیت ایک تاریخی شخصیت بن گئی تھی اور وابستگانِ اکابر دیوبند کے لیے ان کا مکان بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو بھی ان سے خاص عقیدت تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ان کی وفات کے بعد بھی برابر ان کی اولاد و اقارب سے مخلصانہ اور شفقت آمیز تعلق رکھتے تھے۔ حضرتؒ جب کبھی مرادآباد تشریف لاتے تو ان کے مکان پر ہی قیام فرماتے تھے۔ مدرسہ شاہی کا شوریٰ ہو یا جمعیۃ علماء کا کوئی چھوٹا بڑا اجلاس ہو، یا کوئی مذہبی اور سیاسی تقریب ہو جب کبھی حضرتؒ مرادآباد تشریف لاتے بستر اسی مکان پر پہنچا دیتے تھے اور وہیں قیام فرماتے تھے۔ اُس وقت اس مکان اور اس کے قریب کی مسجد میں ایک عجیب دینی و روحانی چہل پہل ہو جاتی تھی۔ احقر کو اس مکان کے مرحوم مکین کے حالات کی جستجو ہوئی تو حکیم محمد عمر صاحب مرادآبادی نبیرۂ حضرت مولانا حکیم محمد صدیق مرادآبادیؒ نے میری رہنمائی فرمائی اور مجھے ان کے ذریعہ اتنے

[۱] یہ مقالہ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ جلد ۴۴ شمارہ ۳ بابت ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مارچ ۱۹۷۶ء سے لیا گیا ہے۔ (محب الحق)

واقعات مل گئے کہ میں نے ''خم خانۂ قاسمی کا ایک جرعۂ نوش''[1] کے عنوان سے ایک مفصل مقالہ لکھا جو فروری، مارچ اور اپریل ۱۹۵۴ء کے رسالہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں شائع ہوا۔

چند ماہ ہوئے مجھے حکیم محمد عمر صاحب زید مجدہم سے حضرت حکیم محمد صدیق صاحبؒ سے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مبارک تحریریں ملیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حکیم صاحبؒ کے مختصر حالات کے ساتھ ان تحریرات کو ''الفرقان'' میں شائع کرادوں۔ تاریخ کے طالب علموں کو ان تحریروں سے خصوصی فائدہ ہوگا اور اکابر دیوبند سے تعلق رکھنے والوں کو ان سے ایک خاص روشنی ملے گی۔ ''وما توفیق الا باللہ''

مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ کے مختصر حالات

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا محمد امین الدین ہے جو نسباً صدیقی تھے۔ آپ کے نانا حکیم محمد عطاء حسین تھے، جو مرادآباد کے بڑے نامی گرامی طبیب اور نباض تھے۔ ان ہی کے زیرِ عاطفت آپ نے تربیت پائی۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ان کے علاوہ میر بشارت علی سنبھلیؒ اور مولانا محبوب علی صاحبؒ (ساکن سنبھلی دروازہ مرادآباد) سے فارسی اور دینیات کی کتابیں پڑھیں۔ حکیم محمد عطاء حسین صاحب کی اولاد میں صرف مولانا حکیم محمد صدیق صاحب کی والدہ تھیں، کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ جب حکیم محمد صدیق صاحب پیدا ہوئے تو بہت خوشیاں منائی گئیں اور آپ کو متبنّٰی بنا کر نہایت ناز و نعم کے ساتھ پالا گیا۔ حکیم عطاء حسین اور ان کے والد حکیم حفیظ الدین صاحب نے آپ کی کمسنی سے آپ کو علم طب سکھانا شروع کر دیا تھا۔ منجانب اللہ آپ کو حافظہ، ذہن، ذکاوت اور سلامت فہم بچپن ہی سے حاصل ہوئے تھے۔ حکیم سید[2] نثار علی رضوی امروہی مرحوم آپ کے نانا کے بہت مخلص دوست

---

[1] یہ مقالہ ''مقالاتِ فریدی'' جلد اول میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محب الحق)

[2] آپ احقر کے نانا حکیم سید احمد حسن رضوی امروہی مرحوم کے والد ماجد تھے۔ (فریدی)

تھے۔ جب وہ امروہہ سے مراد آباد جاتے تو اپنے دوست کے ہونہار نواسے کو بلا لیا کرتے۔
اس طرح امروہہ کے اس باکمال طبیب سے بھی آپ کو استفادہ کا موقع ملتا۔

حضرت مولانا نانوتویؒ سے تعلق: آپ کو ابتدائے عمر ہی سے تحصیل علم کا شوق بدرجہ کمال تھا۔ جس کی تکمیل مکان پر رہ کر نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی شوق میں آپ ایک مرتبہ اپنے چھوٹے بھائی مولوی شمس الدین کے ہمراہ بغیر کسی کو اطلاع دیے اور بغیر سفر خرچ لیے ہوئے قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت بابرکت میں میرٹھ پہنچ گئے۔ جو قلیل رقم بطور جیب خرچ پاس تھی، بس وہی تھی، آپ کے نانا کو آپ کے اس طرح بے اطلاع اور بے سروسامانی کے ساتھ چلے جانے کا بہت قلق تھا۔ بار بار فرماتے تھے کہ بلا خرچ لیے خدا جانے کہاں چلے گئے۔ کئی آدمی مختلف اطراف میں دوڑائے گئے۔ احتیاطاً مولانا محبوب علی صاحب سے ایک خط لکھوا کر حضرت مولانا قاسم العلومؒ کی خدمت میں بھیجا گیا کہ دولڑکے محمد صدیق اور محمد[1] شمس الدین آپ کی خدمت میں اگر پہنچیں تو فوراً اطلاع فرمادیں۔ یہ لڑکے مراد آباد سے بغیر اطلاع کے چلے گئے ہیں۔

یہ خط ۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۲۸۵ھ کو میرٹھ روانہ کیا گیا۔ اس زمانہ میں حضرت نانوتویؒ

---

[1] مولوی شمس الدین مراد آبادی، مولانا حکیم محمد صدیق صاحب کے برادرِ خورد تھے۔ مجذوب ہو گئے تھے۔ مثنوی مولانا رومؒ اور حافظ شیرازیؒ کے اشعار اکثر پڑھا کرتے تھے۔ وارفتگی، بے خودی اور وجد و کیف کے عالم میں رہتے تھے۔ احقر نے امروہہ اور مراد آباد میں ان کو دیکھا ہے۔ امروہہ میں حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰنؒ سے ملنے آتے تھے اور مدرسہ کی درسگاہوں میں گھوم پھر کر مراد آباد واپس چلے جاتے تھے۔ مراد آباد میں ایک مرتبہ احقر نے ان کو دیکھا کہ حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ کی تقریر جامع مسجد مراد آباد میں ہو رہی تھی اور وہ وجد و نشاط کا اظہار فرما رہے تھے۔ ان کے کشف و کرامات کے عجیب و غریب واقعات کثرت سے سنے گئے ہیں۔ دیوبند بھی جاتے رہتے تھے اور تمام اکابر و اصاغر ایک نسبت خاص کی وجہ سے ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ دو تین سال ہوئے رمضان کی رات کی ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ نے ان کی کرامات کے بہت سے واقعات بیان فرمائے۔ احقر اس مجلس میں حاضر تھا۔ مولوی شمس الدین صاحب نے مولانا حکیم محمد صدیقؒ سے کافی عرصہ کے بعد وفات پائی۔ صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں کر سکا۔ (فریدی)

میرٹھ میں مقیم تھے۔ اُدھر یہ خط پہنچا اِدھر یہ دونوں پہنچے۔ حضرت مولانا قدس سرہ نے ان دونوں کو دیکھ کر مولانا حکیم محمد صدیق صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تمہارا نام محمد صدیق ہے اور آپ کے بھائی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تمہارا نام شمس الدین ہے۔ مولوی شمس الدین نے عرض کیا کہ یہ تو حضرت والا کی کھلی کرامت ہے کہ ہم دونوں کے نام بتلا رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کرامت کہاں سے آئی! دیکھو یہ خط آیا ہوا رکھا ہے۔ دونوں کے نام اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ نے ان کے میرٹھ میں موجود ہونے کی اطلاع ایک مکتوب گرامی کے ذریعہ مولانا محبوب علی کو بھیجی۔ (یہ مکتوب گرامی فارسی میں ہے جس کو بجنسہ مع ترجمہ آگے پیش کیا جا رہا ہے) اور آپ نے اس مکتوب پر ہی دونوں کی تحریرات بھی درج کرا دیں[1]۔ کچھ دنوں بعد یہ دونوں مراد آباد بلا لیے گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ دیوبند پہنچے اور تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ دیوبند میں آپ نے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا سید احمد دہلویؒ کے علاوہ مولانا فتح محمد صاحبؒ (تھانوی) اور مولانا محمد فاضل صاحبؒ سے بھی پڑھا جو اس وقت اونچی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ دیوبند سے مراد آباد پھر بلا لیے گئے۔ جب آپ مراد آباد پہنچے تو مولانا فتح محمد صاحب (تھانوی) بھی مراد آباد آ گئے اور آپ ہی کے مکان پر رہے اور آپ کو پڑھاتے رہے اور خود بھی حضرت مولانا عالم علی نگینویؒ[2] ثم مراد آبادیؒ تلمیذ رشید حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجرؒ سے علم حدیث پڑھتے رہے۔ حکیم صاحبؒ نے بھی حدیث حضرت مولانا عالم علی مراد آبادیؒ سے پڑھی ہے۔ حضرت مولانا سید عالم علیؒ نے حکیم صاحب کو ان کی نابینائی کی حالت میں ہی وصیت فرمائی کہ حدیث

---

[1] ان دونوں بھائیوں نے دو خط اپنے دستخطوں سے لکھے ہیں جو حضرتؒ کے گرامی نامہ پر ہی درج ہیں ان میں ایک فارسی زبان میں ہے جو مولانا محبوب علی کے نام ہے اور دوسرا اردو میں ہے جو اپنے والد اور نانا کو لکھا ہے۔

[2] آپ نے ۱۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ (فریدی) مولانا عالم علی صاحبؒ کے مفصل حالات مقالاتِ فریدی جلد دوم بعنوان کاروانِ اہل فضل وکمال تلامذہ شاہ اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکیؒ وشاہ محمد یعقوب محدث دہلوی مہاجر مکیؒ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محب الحق)

وتفسیر ہمیشہ پڑھاتے رہنا۔ حکیم صاحبؒ نے اس کی حتی الامکان تعمیل کی اور جب تک قویٰ نے کام دیا اپنے یہاں سہ پہر کو خالصاً لوجہ اللہ تفسیر وحدیث کا درس دیا۔

دوبارہ میرٹھ کو روانگی: بتاریخ ۶ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۸۷۲ء بروز چہارشنبہ مراد آباد سے میرٹھ روانہ ہوئے اور حضرت قاسم العلوم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ میں اس قابل کہاں، فلاں فلاں بزرگوں میں سے کسی سے بیعت ہو جائیں! حکیم صاحبؒ نے ہر بار یہی عرض کیا کہ میں تو حضرت ہی سے بیعت ہوں گا۔ آپ نے آٹھ روز تک ٹالنے کے بعد بالآخر بڑی سفارشوں سے ۱۴ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۸۷۲ء کو میرٹھ میں بیعت فرمالیا۔ اب وہاں رہ کر آپ تحصیل علم بھی کرتے رہے اور ذکر وشغل میں بھی مشغول رہتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ نے اپنے استاذ معظم حضرت قاسم العلومؒ سے عرض کیا کہ ان کو میرے سپرد کر دیا جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا اچھی بات ہے چنانچہ حکیم صاحبؒ کو حضرت امروہیؒ کے ساتھ خورجہ بھیج دیا۔ حضرت امروہیؒ اس وقت مدرسہ اسلامیہ خورجہ میں صدر مدرس تھے۔ آپ خورجہ میں پڑھتے بھی تھے اور ذکر وشغل بھی کرتے تھے جو حالات ہوتے پیرومرشد کو تحریر کرتے رہتے۔ ایک بار عرض حال سن کر حضرت پیرومرشد نے حکم فرمایا کہ اب ذکر وشغل بالکل ترک کر دو۔ اس وقت حضرت نانوتویؒ کا قیام دہلی میں تھا۔ خورجہ میں جس مکان میں حکیم صاحب رہتے تھے بالکل تنہا تھا۔ مدرسہ کی تعطیل کا زمانہ تھا حضرت امروہیؒ بھی اس وقت غالباً وہاں نہیں ہوں گے۔ بے چین اور سوز وگداز والی طبیعت کہاں مانتی تھی۔ بجائے ترک ذکر کے غلبہ شوق کے ساتھ دن رات ذکر کا مشغلہ جاری رہا جس سے استغراق کی ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کی اطلاع پیرومرشد کو نہ ہو سکی اور نہ خود دہلی پہنچ سکے۔ ۶ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ کو اسی استغراقی حالت میں خورجہ سے مراد آباد آگئے۔ یہاں اعزاء اور اطباء کا یہ خیال ہوا کہ مرض جنون لاحق ہو گیا اور اسی کا علاج شروع کیا گیا۔ مبرّدات

کے ساتھ ساتھ سر پر مَشکیں بھی چھڑوائی گئیں جس کی وجہ سے آنکھیں آشوب کر آئیں اور بالآخر آنکھیں جاتی رہیں۔ ۶ ر ماہ کے بعد پیر و مرشد کو جب اس حال کی اطلاع ہوئی تو بہت افسوس کیا اور فرمایا کہ ہمیں کسی نے خبر نہ کی۔ اُدھر پیر و مرشد کو مطلع کیا گیا، اِدھر حکیم صاحب کو افاقہ ہو گیا۔ طبیعت تو اچھی ہو گئی لیکن آنکھیں جا چکی تھیں۔ آنکھوں کے متعلق پیر و مرشد نے یوں فرمایا ''دو آنکھوں کے عوض جنت بہت سستی ہے'' مولانا حکیم محمد فاروق صاحب نے حضرت نانوتویؒ کا یہ مقولہ بھی نقل کیا ہے کہ ''دو آنکھوں کے عوض جنت بہت ارزاں ہے اس لیے کہ جنت محلِ دیدارِ خداوندی ہے'' آپ کو پیر و مرشد کے اس ارشاد کے بعد اپنی نابینائی پر بڑا ناز تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعض اشعار میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

برکوریٔ ایں چشم بنازم کہ الی حشر ☆ جز بر رُخ زیبائے تو بینا شدنی نیست
گر ننگرد جمالِ دلِ فروز تو ☆ صدیقؔ را بدیدۂ بینا چہ حاجت است[1]

حضرت نانوتویؒ سے خلافت: حضرت نانوتوی قدس سرہٗ بیعت ہی بہت کم کرتے تھے چہ جائیکہ کسی کو اپنے خدام میں سے مجاز بیعت بنائیں۔ مگر حکیم صاحبؒ کے حالات محمودہ دیکھتے ہوئے ان الفاظ میں اجازت مرحمت فرمائی: ''حضرت حاجی صاحب کی طرف سے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت ہے۔''

حضرت نانوتویؒ مراد آباد کے جس کسی شخص کو بیعت فرماتے تھے تو خاص طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ''تم کو ذکر و شغل کی تعلیم محمد صدیق کریں گے۔''

حکیم محمد صدیقؒ کی شاعری: حکیم صاحبؒ فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ فارسی کا ایک مکمل دیوان غیر مطبوعہ موجود ہے۔ قاسمی اور صدیق تخلص فرماتے تھے۔ آپ کے کلام میں حافظؔ، جامیؔ، نظیریؔ اور قدسیؔ کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ نے مولانا سید عبدالرشید

[1] ترجمۂ شعر: میں اپنی آنکھ کی نابینائی پر ناز کرتا ہوں اس لیے کہ وہ سوائے تیرے رُخ زیبا کے قیامت تک کسی کو دیکھنے والی نہ ہو گی یعنی قیامت میں تیرا دیدار ہو گا۔ اگر دیدۂ بینا تیرے جمال دل فروز کو نہ دیکھے تو صدیق کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ (فریدی)

صاحب غازی پوری ثم مرادآبادی سے اور آخر میں آغا کمال سنجر سے فارسی شاعری میں اصلاح لی ہے۔

حضرت نانوتوی کی شان میں حکیم صاحب کے دو شعر

حضرت نانوتویؒ کی شان میں آپ کے دو شعر یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

بسے چوں قاسم دیوانہ[1] رافرزانہ می سازد ☆ بہ بیں صدیقؔ! فیض قاسم فرزانہ مارا

فیوض قاسم الخیرات را صدیقؔ می نازم ☆ رود دیوانہ گر در بزم او فرزانہ می آید

آپ کا مطب: آپ ایک حاذق طبیب اور بلند پایہ نباض تھے۔ آپ کو روحانی علاج کی طرح جسمانی علاج میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی نباضی کے محیر العقول واقعات ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

شیخ المشائخ سے اجازت بیعت: کسب طریقت میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہے۔ اپنے حالات حضرت حاجی صاحبؒ کو لکھتے رہتے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی بلا طلب آپ کو اجازت بیعت مرحمت فرمائی (جس کو بجنسہ مع ترجمہ آگے درج کیا جا رہا ہے)

وفات: ۳؍شوال ۱۳۴۷ھ کو شب جمعہ میں ساڑھے دس بجے بعمر ۸۴ سال آپ کا وصال ہوا۔ بعد نمازِ جمعہ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت مولانا نواب محی الدین احمد خاں فاروقی مرادآبادی[2] تلمیذ حضرت مولانا نانوتویؒ و خلیفہ حضرت حاجی صاحبؒ نے پڑھائی۔

---

[1] قاسم دیوانہ فارسی کے ایک مشہور شاعر ہوئے ہیں۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے ان دونوں شعروں میں یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ اگر قاسم دیوانہ ہمارے قاسم فرزانہ یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بزم مبارک میں آجائے تو وہ بھی فرزانہ ہو جائے۔ [2] ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ میں شب جمعہ کو حضرت قاضی نواب محی الدین احمد خاں فاروقی مرادآبادیؒ نے بھی وصال فرمایا۔ ان کے بعد ضلع مرادآباد میں سوائے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ کے کوئی ایسا عالم باقی نہ رہا تھا جو براہِ راست حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ کا تلمیذ ہو۔ ۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ کو حضرت حافظ صاحبؒ بھی عالم آخرت کو سدھار گئے۔ (فریدی)

آپ کی اولاد: حضرت مولانا حکیم محمد صدیقؒ کے دو صاجزادے تھے۔(۱) مولانا حکیم عبدالرحمٰن صاحب (۲) مولانا حکیم محمد فاروق صاحب۔ مولانا حکیم محمد فاروق نے اپنے والد کی تمام کتابوں اور علمی و قلمی تبرکات کو محفوظ رکھا۔ آپ خود بھی عالم، طبیب اور خوش نویس تھے۔ ایک ضخیم بیاض میں اپنے والد ماجد کا ''کلام[1] فارسی'' بڑی محنت سے نہایت خوشخط طریقہ پر نقل کیا ہے اور ایک مفصل مقدمہ بھی لکھا ہے۔ تقریباً ایک سال کے بعد وہ بھی اپنے بزرگ باپ سے جا ملے۔ ان کے صاجزادگان یہ ہیں: (۱) جناب محمد احسن صاحب[2] (۲) جناب محمد محسن صاحب (۳) حکیم محمد عمر صاحب (۴) مولانا صلاح الدین صاحب (۵) پروفیسر محمد عثمان صاحب استاذ شعبۂ انجینئرنگ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

اجازت نامہ از طرف شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد!۔ می گوید فقیر امداد اللہ چشتی حنفی کہ چوں برادرِ طریقت و طالبِ معرفت عزیزم مولوی محمد صدیق صاحب زید عرفانہ مرید و خلیفہ عزیزم مولوی محمد قاسمؒ صاحب استعداد و قابل اند، و نسبت انتقالی حاصل کردہ اند۔ لہٰذا اجازت عام اذکار و اشغال وغیرہ کہ در رسالہ ''ضیاء القلوب'' نوشتہ ام دادم۔ بہ اجازت کہ دادمرا بزرگان طرق اربعہ یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ وسہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ پس اگر کدام طالب صادق نام خدا آید بعد از اخذ بیعت حسب استعداد و قابلیت او تلقین و تعلیم نام خدا نمایند۔ و بر حالِ او توجہ مرعی دارند و از آداب سلوک اطلاع کنند و بہ تصحیح عقائد اہل سنت و جماعت و بہ تحصیل مسائل فقہ ضروریہ و ترغیب و تحریص بر اتباع شرع شریف تاکید نمایند و ارشاد فرمایند کہ مکاشفات و واردات خلاف شرع را اعتبار نہ

---

[1] یہ کلام ابھی شائع نہیں ہوا۔ مولانا محمد فاروق کے مقدمہ ہی سے حکیم محمد صدیق صاحبؒ کے حالات اخذ کیے گئے ہیں۔ (فریدی) [2] محمد احسن صاحب کا وصال ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۰ء میں، محمد محسن صاحب کا وصال ۲۲/جون ۱۹۷۳ء میں، حکیم محمد عمر صاحب کا وصال ۱۸/اپریل ۱۹۸۵ء میں ہوا، حکیم صلاح الدین الدین صاحب کا وصال یکم/جنوری ۱۹۸۳ء میں اور پروفیسر صاحب کا وصال ۲۲/جون ۱۹۸۶ء میں ہوا۔ (محب الحق)

سازند و براوامر شریعت مستقیم باشند واز ممنوعات او بہ پرہیز ند واز لقمہ حرام ومشتبہ احتیاط نمایند واحکام شریعت رابر ہمہ امور مقدم دارند **واللہ الولی التوفیق و الیہ المصیر**

۲۵/رجب ۱۳۱۰ھ

مہر
محمد امداد اللہ فاروقی
۱۲۷۹ ہجری

ترجمہ اجازت نامہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہٖ اجمعین امابعد!
فقیر امداد اللہ چشتی حنفی کہتا ہے، چونکہ برادرِ طریقت وطالب معرفت عزیزم مولوی محمد صدیق صاحب زید عرفانہ۔ عزیزم مولوی محمد قاسم صاحب (نانوتویؒ) کے مرید وخلیفہ ہیں اور انھوں نے نسبت انتقالی حاصل کر لی ہے۔ لہٰذا ان کو تمام اذکار واشغال کی جو کہ رسالہ ''ضیاء القلوب'' میں میں نے لکھے ہیں، اجازت دیتا ہوں۔ اس اجازت کے ذریعہ سے جو مجھے چاروں طریقوں یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے بزرگوں نے مرحمت فرمائی ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم۔ پس اگر کوئی نام خدا کا طالب صادق ان کے پاس آئے تو اخذ بیعت کے بعد۔ اس کی استعداد وقابلیت کے مطابق نامِ خدا سکھائیں اور اس کے حال پر توجہ مبذول فرمائیں۔ تصحیح عقائد اہل سنت وجماعت کے ساتھ ساتھ آداب سلوک سے اس کو آگاہ کریں اور فقہ کے ضروری مسائل کی تحصیل اور اتباع شرع شریف کی ترغیب دیں۔ نیز (طالبین) کو یہ بھی بتائیں کہ مخالف شرع مکاشفات وواردات کا کوئی اعتبار نہ کریں اور شریعت کے اوامر پر مستقیم رہیں۔ جن امور سے شریعت نے منع کیا ہے ان سے پرہیز کریں اور لقمہ حرام ومشتبہ سے احتیاط کریں، اور احکامِ شریعت کو تمام امور پر مقدم رکھیں۔

واللہ الولی التوفیق و الیہ المصیر

۲۵/رجب ۱۳۱۰ھ

مہر
محمد امداد اللہ فاروقی
۱۲۷۹ ہجری

نقل مکتوب گرامی قاسم العلوم حضرت مولانا نانوتویؒ بنام مولانا محبوب علی صاحب مراد آبادی

کمترین خلائق بندۂ ذلیل۔ محمد قاسم عفی عنہ بوالائے خدمت افادت مآب جناب مخدوم العلماء مجمع البرکات مولوی محبوب علی صاحب ادام اللہ تعالیٰ فیوضہ۔ پس از تسلیم مسنون عرض پرداز است امروز گرامی نامہ رسید وسرمایہ افتخار گردید۔ از نامۂ نامی از آمدن عزیزان جناب وہم عزیزانِ خویش محمد صدیق وشمس الدین متنبہ شدہ انتظار تشریف آوری شاں می کشیدم کہ ناگاہ قریب عصر ہر دو عزیز قدم رنجہ فرمودہ بندہ را ممنون فرمودند۔ بغور مطالعہ طلعت شاں بقرینہ ایماء گرامی دریافتم کہ ایشاں ہماں کسانند۔ بالجملہ بخیر اندو نوعے رنجے و ملالے ندارند حسب ارشاد عالی بخدمت شاں عرض کردہ شد کہ ضرورتے کہ باشد تا مقدور بجا آوری اسبابش کار من است۔ اما بجوابش ہمیں کلمہ برزبان شان است کہ ہیچ ضرورت نداریم۔ ظاہراً ایں جواب شاں از تکلف است۔ چہ تحریر گرامی کہ شاہد عدلش تواں خواند برناداری شاں گواہ صریح است۔ لہٰذا مکنونِ خاطرم چناں است کہ مکرر عرض کردہ حقیقت الحال دریافت خواہم نمود وہر ضرورت کہ داخل مقدرت خود خواہم دیدان شاء اللہ در رفع اوتا مقدور سعی خواہم نمود۔ خاطر مبارک مطمئن باشد، بغرض مزید اطمینان، مزاج مقدس وطبائع دیگر اقرباء او شاں بذیل ایں عریضہ کلمات چند کہ متضمن بچند از احوال شاں باشد از دست او شاں نویسایندہ، ایں عریضہ را روانہ می کنم۔ ہر چہ مصلحت دید گرامی درحق شاں باشد بذریعہ رقیمہ کریمہ اطلاع فرمایند۔ اما بندہ ایں قدر گزارش نمودہ کہ کاریکہ بے رضائے بزرگاں کردہ می شوید۔ انجامش برکت نمی دہد۔ وظاہراً از تحریر مولانا چناں مترشح است کہ ہر دو عزیز پیش

نظر شاں تربیت یابند عزیزاں مذکور نیز دریں بارہ ہم زباں احقر اند۔ زیادہ ازیں نہ دریافتہ ام از تحریر آں مخدوم مارا معلوم خواہد شد۔

(بجواب مکتوب محررہ ۲۶/ جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ)

(ترجمہ مکتوب گرامی)

کمترین خلائق بندہ ذلیل۔ محمد قاسم عفی عنہ۔ افادت مآب جناب مخدوم العلماء مجمع البرکات مولوی محبوب علی صاحب ادام اللہ تعالیٰ فیوضہ کی خدمت گرامی میں بعد از سلام مسنون عرض پرداز ہے۔ آج گرامی نامہ پہنچا۔ سرمایہ افتخار ہوا۔ آپ کے گرامی نامہ سے آپ کے اور میرے عزیز محمد صدیق اور شمس الدین کی آمد سے مطلع ہو کر ان کی تشریف آوری کا انتظار کر رہا تھا کہ ناگاہ عصر کے قریب دونوں آگئے اور بندہ کو ممنون کیا۔ ان کے چہروں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد جناب کے مندرجہ مکتوب ایماء واشارہ کے قرینے سے میں نے سمجھا کہ یہ دونوں وہی لڑکے ہیں۔ بالجملہ یہ دونوں خیریت سے ہیں۔ ان کو کسی قسم کا رنج و ملال نہیں ہے۔ حسب ارشاد عالی ان سے کہہ دیا گیا کہ جو ضرورت بھی ہو حتی الامکان اس کے اسباب کی بجا آوری میرا کام ہے۔ لیکن اس کے جواب میں یہی ایک بات ان کی زبان پر ہے کہ ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہراً ان کا یہ جواب تکلف کی وجہ سے ہے اس لیے کہ آپ کی تحریر جس کو شاہد عدل کہا جا سکتا ہے ان کی ناداری پر گواہ صریح ہے۔ لہٰذا میرے دل میں یہ ہے کہ دوبارہ کہہ کر حقیقت حال دریافت کروں گا اور ان کی جو ضرورت داخل مقدرت دیکھوں گا، ان شاء اللہ اس کو رفع کرنے کی اپنے مقدور کے مطابق کوشش کروں گا۔ دل مطمئن رکھیں۔ آپ کے اور ان کے دیگر اقرباء کے مزید اطمینان قلب کے لیے ذیل میں چند کلمے جو ان کے احوال کے متضمن ہیں، خود ان کے قلم سے لکھوا کر اس عریضہ کو روانہ کرتا

[1] مولانا محبوب علی صاحب مرادآبادی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ یہ مولانا حکیم محمد صدیق صاحب کے فارسی و دینیات کے ابتدائی اساتذہ میں سے تھے، اور سنبھلی دروازہ مرادآباد میں ان کی سکونت تھی۔ (فریدی) مولانا محبوب علی صاحب فریدیان رجب پور سے تھے۔ (محب الحق)

ہوں۔ ان کے بارے میں آپ جو مصلحت دیکھیں رقیمہ کریمہ کے ذریعہ سے مطلع فرمائیں۔لیکن بندہ نے ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ جو کام بزرگوں کی رضامندی کے بغیر کیا جاتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ بظاہر جناب عالی کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ دونوں عزیز جناب کی نظر کے سامنے تعلیم و تربیت پائیں۔ میں نے جو سمجھا ہے عزیزان مذکور بھی اس بارے میں احقر کے ہمزبان ہیں۔اس سے زیادہ میں نہیں سمجھ سکا۔مزید آپ کی آئندہ تحریر سے معلوم ہوگا۔

نقل خطوط مولانا حکیم محمد صدیق و مولوی شمس الدین

(۱) جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم بندگان سلامت۔

بعد سلام مسنون واضح رائے سامی باد۔عنایت نامۂ جناب کہ روانہ فرمودہ بودند از مطالعہ اش کمال خوشی و خرمی حاصل گردید۔ارادہ ما کمترنیاں چنان است کہ ما بخدمت جناب مولوی صاحب یعنی محمد قاسم صاحب ماندہ تحصیل علوم کنیم۔یا بخدمت مولوی امیر حسن صاحب رسیدہ تکمیل دین نمائیم واز جناب مخدوم یک روپیہ برائے خرچ گرفتہ ایم۔آنجناب از والد ماجد اطلاع دہند۔مولوی صاحب بایں نیازمنداں بکمال عنایت و مہربانی کہ زبان عاجزاں از بیانش قاصر است پیش آمدند خواطر جمع دارند۔رقیمہ محمد صدیق و شمس الدین۔

لے ترجمہ: مکتوب مولانا محمد صدیق و مولوی محمد شمس الدین بنام مولانا محبوب علی صاحب۔

"جناب مولوی صاحب بعد سلام مسنون ملاحظہ فرمائیں۔جناب نے جو عنایت نامہ روانہ فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم مولوی صاحب یعنی مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں رہ کر تحصیل علوم کریں۔ہم نے حضرت مخدوم (حضرت نانوتویؒ) سے ایک روپیہ قرض لیا ہے آپ والد ماجد کو اطلاع دے دیں۔مولوی صاحب ہم نیازمندوں کے ساتھ بکمال

عنایت و مہربانی پیش آئے جس کو بیان کرنے سے ہماری زبان قاصر
ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ رقیمہ محمد صدیق و شمس الدین۔''

(۲) جناب قبلہ و کعبہ نانا حکیم محمد عطاء حسین و مولوی امین الدین صاحب سلمہٗ

بعد سلام مسنون کہ گزارش یہ ہے کہ ہم دونوں وہاں سے اگر چہ بے اجازت آپ کے چلے آئے ہیں۔ آپ یہ تقصیر معاف فرمائیں۔ چھوٹوں سے خطا اور بزرگوں سے عطا۔ اب جو کچھ خدا عز و جل کو منظور ہوگا ظہور میں آوے گا۔ ارادہ ہمارا یہ ہے کہ جناب مولوی محمد قاسم کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کریں۔ مگر قیام مولوی صاحب کا فقط میرٹھ میں نہیں ہے بلکہ کبھی مکان کو تشریف لے جاتے ہیں اور کبھی یہاں چھاپہ خانہ میں رہتے ہیں اور ایک روپیہ واسطے خرچ کے مولوی صاحب سے لیا ہے۔ آپ عنایت فرما کر مولوی محبوب علی صاحب کو دے دیجئے۔ مولوی صاحب یہاں کو بھیج دیں گے۔ بخدمت جمیع صاحبان کہ پرسان حال ہمارے ہوں سلام پہنچا دیں۔ زیادہ سلام رقیمہ محمد صدیق و شمس الدین۔ از میرٹھ

نقل مکتوب گرامی قاسم العلوم حضرت مولانا نانوتویؒ

بنام مولانا محمد حکیم صدیق صاحب و مولوی شمس الدین صاحب مراد آبادی

بخدمت بابرکت سراپا عنایت و کرم مولوی محمد صدیق صاحب و مولوی محمد شمس الدین صاحب سلمہما اللہ محمد قاسم پس از سلام مسنون رقمطراز است کہ عنایت نامہ رسید و ممنون گردانید۔ مرض ہیضہ وبائی احمد (را) تا لب موت رسانیدہ بود۔ اما فضل خداوندی از دہان موت کشیدہ باز داد۔ می دانم ایں ہمہ ثمرہ دعا احباب است ورنہ ما نظر بہ ظاہر سلسلہ گسستہ بودیم و می دانستیم کہ ایں ہم بجوار سلطان الدین مرحوم رسید۔ سلطان الدین مرحوم شب یکم شعبان دریں مرض مہلک پس از چار پاس قدرے زائد جاں بہ جانِ آفریں سپرد داغ بدل اقارب و احباب خصوصاً مولوی احمد حسن صاحب بگذاشت۔ حال زار اوشاں آں روز چہ گویم چہ بود۔ ہم چنیں حافظ عبدالغنی صاحب بر بستر غم می طلپیدند۔ وفقط بریں دو کس چہ منحصر

ہر کہ شکل و شمائل او دیدہ و اخلاق و خصال او دریافتہ زار زاری نالید مگر پیش تقدیر چہ چارہ۔ ہمہ نالاں و گریاں رفتند و زیر خاک نہفتند انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بخدمت بہادر شاہ خاں صاحب بعد سلام التماس دعاء مقبول باد۔ باقی ہیچ نیست۔

(ترجمہ) بخدمت بابرکت سراپا عنایت وکرم مولوی محمد صدیق صاحب و مولوی محمد شمس الدین صاحب سلمہما اللہ محمد قاسم بعد از سلام مسنون تحریر کرتا ہے کہ عنایت نامہ پہنچا، ممنون کیا۔ مرض ہیضہ وبائی نے احمد[1] کو موت کے منھ تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن فضل خداوندی نے اس کو موت کے منھ سے کھینچ کر واپس کر دیا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ دعائے احباب کا ثمرہ ہے ورنہ ہم بظاہر (اولادِ نیرینہ کے لحاظ سے) سلسلہ گسستہ ہو چلے تھے، اور سمجھتے تھے کہ یہ

---

[1] حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ آپ ۱۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب تذکرہ مشائخ دیوبند کے بیان کی رو سے آپ حضرت مولانا نانوتویؒ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ نے قصبہ رامپور منیہاراں ضلع سہارنپور میں حافظ نور محمد صاحب سے جو ایک جید حافظ تھے، ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ اس کے بعد حضرت نانوتویؒ نے گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے مدرسہ اسلامیہ میں ابتدائی تعلیم کے لیے بھیج دیا۔ بعدہٗ حضرت نے مرادآباد بھیجا۔ وہاں مدرسہ شاہی میں تعلیم پائی۔ اس وقت حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ بعدہٗ خود تعلیم دینے کے لیے دیوبند بلا لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوگئی، تو دارالعلوم میں بقیہ تعلیم پوری کی۔ متعدد کتابیں بالخصوص معقولات وغیرہ کی اونچی کتابیں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔ آخر میں دورۂ حدیث حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہیؒ سے پڑھا اور وہیں سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں عرصہ تک مدرس بھی رہے۔ ۱۳۱۳ھ میں حضرت گنگوہیؒ کے مشورے سے دارالعلوم کا اہتمام آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ تاحیات اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم نے بہت ترقی کی۔ آپ نہایت ذی وجاہت اور باعظمت اور صاحب تدبیر وحکمت بزرگ تھے۔

آپ کے محاسن وفضائل احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم ہی کے ایک کام سے حیدرآباد تشریف لے گئے تھے۔ وہاں پر سخت بیمار ہوئے تو دیوبند لے جانے کا انتظام کیا گیا مگر راستہ میں نظام آباد کے اسٹیشن پر آپ کا انتقال ہوگیا۔ نظام دکن میر عثمان علی خاں کے ایما پر آپ کے جسد مبارک کو حیدرآباد کے ''خطۂ صالحین'' میں ۴ر جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ کو سپرد رحمت کیا گیا۔ فخر الاماثل والاقران حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہم العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند آپ ہی کے باکمال بڑے صاحبزادے ہیں۔ (فریدی) قاری صاحبؒ کی وفات ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو ہوئی۔ (محب الحق)

بھی سلطان الدین مرحوم[1] کے جوار میں پہنچ گیا۔ سلطان الدین مرحوم نے شب یکم شعبان کو اسی مرض مہلک میں چار گھڑی یا اس سے کچھ زائد مبتلا رہ کر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، اور اقارب و احباب کے دلوں کو خصوصاً مولوی احمد حسن صاحب (امروہی) کے دل کو داغِ مفارقت دیا۔ اس دن ان کا (مولوی احمد حسن) کا حال زار کیا کہوں کیا تھا۔ ایسے ہی حافظ عبد الغنی صاحب[2] (پھلاودی) بستر غم پر تڑپتے تھے۔ فقط ان دو ہی پر کیا منحصر جس نے بھی اس کی شکل و شمائل اور اس کے اخلاق و خصائل دیکھے تھے زار زار روتا تھا۔ لیکن پیش تقدیر کیا چارہ ہے۔ سب کے سب نالاں و گریاں اس کو لے کر چلے اور زیر خاک چھپا دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بہادر شاہ خاں صاحب کی خدمت میں بعد سلام التماس دعا ہے۔

---

[1] میں نے حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ نبیرۂ حضرت قاسم العلومؒ سے ہاپوڑ میں معلوم کیا کہ کیا حضرت نانوتویؒ کے کسی صاحبزادے کا نام سلطان الدین تھا۔ اس کے جواب میں حضرت ممدوح نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ پتہ نہیں کہ سلطان الدین مرحوم نے کس سنہ میں اور کس عمر میں وفات پائی۔ بظاہر ۱۲۸۵ھ اور ۱۲۹۰ھ کے درمیان میں ان کا سانحہ وفات ہوا ہوگا۔ دار العلوم کی رودادوں سے اور دیگر غیر مطبوعہ مکتوبات سے اس کی پوری تحقیق ہو سکے گی۔ [2] قطب الوقت حضرت مولانا حافظ سید عبد الغنی پھلاودیؒ پھلاودہ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ حضرت قاسم العلومؒ اور حضرت امروہیؒ سے تعلیم پائی تھی۔ جامع معقول و منقول اور ظاہر و باطن سے آراستہ تھے۔ معارف قاسمیہ سے آپ کو ایک خاص لگاؤ تھا۔ (فریدی) مولانا پھلاودیؒ کے حالات مقالات فریدی جلد اول بعنوان حضرت نانوتویؒ کی شاعری اور فرائد قاسمیہ میں ملاحظہ کریں۔ (محب الحق)

مقالہ[۱] (۹)

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

اور ان کی چند خصوصیات

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سما رہے ہیں

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ جن کے نام کے بعد چند ماہ پہلے ہم مدظلہ لکھتے اور بولتے تھے۔ آج رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہ کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ دنیا سے گزرنا سب کو ہے، موت سب کو آنی ہے، سب کو اس عالم فانی سے رخصت ہونا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے ☆ آج وہ کل ہماری باری ہے

اس عالم ناپائدار میں جو بھی آیا ہے یہاں سے مقررہ مدت کے بعد ضرور جائے گا، موت کا آہنی چنگل سب کو اپنی گرفت میں لے گا۔

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی ☆ جان ٹھہری جانے والی جائے گی

مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اپنی حیات مستعار میں ایسے کارنامے چھوڑ جاتی ہیں جن سے ان کا نام نیک باقی رہتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسفؒ بھی ان مبارک شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے زندہ و پائندہ علمی و دینی کارناموں کے ذریعے جریدۂ عالم پر اپنی نیک نامی کو ثبت کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے معمور کرے۔ (آمین)

مجھے اکیس سال سے حضرت مولانا مرحوم سے یک گونہ تعلق و ربط تھا۔ وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ جس سے بعض اوقات اپنی بے عملی اور کم

[۱] یہ مقالہ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ جلد ۳۳ شمارہ ۳، ۴، ۵ بابت مارچ، اپریل، مئی ۱۹۶۵ء موافق ۱۳۸۵ھ حضرت مولانا محمد یوسف نمبر سے لیا گیا ہے۔ (محب الحق)

حیثیتی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ میں بھی ان سے جذبۂ عقیدت مندی سے ملتا تھا۔ اس لیے کہ مجھے ان کی شخصیت میں اکابر ملت کے اخلاق کی جھلکیاں اور ''مشائخ کاندھلہ'' کی اداؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ یہ حقیقت تو بعد کو معلوم ہوئی کہ حضرت مولاناؒ عمر کے لحاظ سے مجھ سے چار پانچ سال چھوٹے تھے۔ میں ان کی حیات میں اپنے مقابلہ میں عمر کے لحاظ سے بھی ان کو بڑا سمجھتا تھا۔ سچ پوچھئے تو وہ ہر حیثیت سے بڑے ہی تھے۔ ان کی تھوڑی عمر میں بھی کام کے لحاظ سے بڑی برکت ہوئی۔ ہم جیسوں سے سو سال میں بھی وہ اہم کام انجام نہیں پا سکتے جو انھوں نے ۴۹ سال کی عمر پا کر صرف ۲۱ سال میں انجام دے لیے۔ یہ محض انعام ربانی تھا کہ ان کے کارکردگی کے مختصر سے زمانہ کا ہر دن دینی اعتبار سے کامیاب تھا اور ہر رات نور در آغوش تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ ریل میں جب وہ سہارنپور سے دہلی جا رہے تھے اور میں دیوبند سے میرٹھ جا رہا تھا۔ یہ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ دوسری مرتبہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ہمراہی حضرت مولانا (محمد منظور) نعمانی[۱] مدظلہ دہلی جا کر۔ غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی شخصیت سے ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکا اور نہ مجھے کوئی موقع ملا کہ ان کے کارناموں اور مساعی حسنہ سے واقفیت پیدا کرتا۔ فائدہ تو اپنے زمانے کے کسی بزرگ سے بھی آج تک نہ اُٹھا سکا، اپنی سیہ بختی کی یہ داستان چھیڑنی مقصود نہیں۔ مجھے تو عرض یہ کرنا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے جانشین اور اکلوتے با کمال صاحبزادے حضرت مولانا محمد

۱؎ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نہ صرف برصغیر بلکہ عالمِ اسلام کے مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔ آپ ماہنامہ رسالہ ''الفرقان'' کے بانی تھے جو ۷۹ رسال سے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ مولانا نعمانیؒ بہترین مصنف بھی تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ خصوصاً احادیث کا انتخاب کر کے ''معارف الحدیث'' ۸ رجلدوں میں مرتب کر کے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ آپ کا وصال ۲۶ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ موافق ۴ رمئی ۱۹۹۷ء میں لکھنؤ میں ہوا اور وہیں عیش باغ کے قبرستان میں ابدی آرام گاہ بنی۔ (محب الحق)

یوسفؒ کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، سفر میں دیکھا، حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعوں میں دیکھا، خصوصی محافل ومجالس میں دیکھا، ان کی روح پرور باتیں سنیں ان کی پُر شکوہ تقریریں سنیں، ان کے کچھ مکتوبات بھی احقر کے نام صادر ہوئے جو عرائض کے جواب میں تھے یا از خود از راہِ کرم فرمائی تبلیغی نقل وحرکت کے سلسلہ میں ارسال فرمائے گئے تھے۔ وہ تین مرتبہ امروہہ بھی تشریف لائے۔ ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع میں اور دو مرتبہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے جلسہ دستار بندی اور اجتماع ختم بخاری کے موقع پر۔ امروہہ کے متعلق فرماتے تھے کہ "یہ ہمارے بزرگوں کی بستی ہے"۔ سلسلہ صابریہ امدادیہ رشیدیہ کے تینوں اکابر طریقت اس سرزمین پر ابدی نیند سو رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض خدام سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس زمانہ میں جب کہ ان کا یہاں کوئی تعارف نہ تھا اپنے ان اکابر طریقت کے مزاروں پر حاضری دینے تشریف لایا کرتے تھے۔

الغرض حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے واقفیت کے اسباب مجھے حاصل ہوئے۔ میں ان کی شخصیت سے متاثر تھا، اس اکیس سال کے عرصہ میں میرے قلب کا تعلق ان سے بڑھتا ہی رہا۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ منجملہ دیگر اکابر کے میں نے اپنے عہد میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ جیسی یادگار سلف دلنشین شخصیت کو بھی دیکھا ہے۔

اور ان سے واقفیت پیدا کی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی زیادہ قربت حاصل نہ کر سکا اور فیض صحبت سے زیادہ مستفیض نہ ہو سکا۔ مولانا اپنے بعض خطوط میں تو کبھی کبھی مجھے میری عدم نقل وحرکت پر اشارۃً تنبیہ بھی فرما دیتے تھے۔ مگر جب کبھی حاضر ہوا تو "اس کوتاہی ذوق عمل" کو نظر انداز فرمایا اگر کبھی فرمایا تو مرکز میں کچھ دنوں قیام کرنے کے لیے اور اس کا عنوان بھی اس قدر دلربا ہوتا تھا کہ جی چاہنے لگتا تھا کہ کچھ عرصہ مرکز میں قیام کروں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: ہم ایک کتاب صحابہؓ کے حالات پر لکھ رہے ہیں آپ نے اس کو دیکھ لیا ہوتا یہ عنوان میرے ذوق وشوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا۔ جس سے اپنی

نا قابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندگی ہوئی اور اس سے مسرت ہوئی کہ اس نا اہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر سکے گا۔ بعد کو جب حیات صحابہ جلد اول شائع ہوگئی تو ازراہِ لطف و کرم اس کا ایک نسخہ ہدیۃً میرے حاضر ہونے پر عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ حاضر ہو کر ایک دو دن کے بعد رخصت ہونے لگا تو بڑی محبت کے ساتھ فرمایا کہ میوات میں ایک اجتماع ہو رہا ہے آپ اس کو دیکھ کر جائیں۔ تمام عمر میں میوات کا وہی ایک اجتماع دیکھ سکا تھا۔ اس اجتماع کی یاد بھی عمر بھر دل سے نہ جائے گی۔

وہ اجتماع میواتیوں کے دینی شعور اور مذہبی احساس کا آئینہ دار تھا۔ میواتیوں کا جوق در جوق ایک بڑی تعداد میں بہ نیت ثواب اور بہ ارادۂ تفریغ وقت اجتماع میں شرکت کرنا، مہمانوں کی مدارات اور خاطر تواضع، سلیقے کے ساتھ جلسہ کا نظم و نسق، توجہ کے ساتھ ''ارشاداتِ یوسفی'' کا سننا اور سادگی کے ساتھ اسی اجتماع کے موقع پر اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرانا، یہ تمام مناظر دینی نقطۂ نظر سے انتہائی مسرت انگیز تھے۔ مجھے رہ رہ کر مولانا کی یاد آتی ہے۔ افسوس کہ وہ اتنے جلد ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ ان کی تقریریں کانوں میں گونج رہی ہیں۔ مراد آباد، رحیم آباد، علی گڑھ، لکھنؤ، ڈاسنہ اور نہٹور ضلع بجنور کے اجتماعات کے پُر کیف روحانی جلوے آنکھوں میں گھوم رہے ہیں جہاں مولانا اپنے رفقاء مرکز کے ہمراہ شریک ہوئے تھے۔ جہاں ایمان و یقین کی باتیں مولانا کی زبان سے ایمان و یقین کی فضاؤں میں احقر کو بھی سننی نصیب ہوئیں۔

اجتماعوں میں ان کی اندرونی کیفیات کی تاثیر کے اندر اضافہ ہو جاتا۔ مصروفیات بڑھ جاتی تھیں، ارشادات و کلمات طیبات کا سلسلہ دراز ہو جاتا تھا۔

یوں مرکز کی مصروفیات بھی کچھ کم نہ تھیں، نمازِ فجر کے بعد سے لے کر رات کے بارہ بجے تک (قبل ظہر کے ایک دو گھنٹہ چھوڑ کر) عمومی و خصوصی مجالس میں برابر رشد و ہدایت کے دریا بہاتے اور حکمت و معرفت کے ''دُرِّ نایاب'' تقسیم کرتے رہتے تھے۔ نمازِ فجر کے بعد سے

اشراق تک تقریر، چائے پینے اور کھانے کے وقت تقریر، اور بڑے دلچسپ انداز میں۔ اس کے بعد تھوڑا سا آرام کر کے ظہر کی نماز کے لیے مولانا مرکز کے حجرے سے باہر تشریف لے آتے، کھڑے کھڑے دینی گفتگو فرمارہے ہیں۔ اب تکبیر ہوگئی، صفوں کو درست فرمارہے ہیں۔ اب نماز پڑھا رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر تقریر فرمارہے ہیں۔ تقریر سے فارغ ہو کر دعاؤں میں مشغول ہیں۔ اب حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ باہر کے آئے ہوئے ''وفود'' کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سکوت کا عالم طاری ہے۔ سب گوش برآواز ہیں۔''

مولانا نے ان کے سامنے توحید و معرفت، ایمان و یقین کی تقریر شروع فرمادی ہے۔''

دین کی نصرت پر نصرت خداوندی کو بیان فرمایا جارہا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد مرکز کے حاضرین اور آنے والے ''وفود'' کے سامنے پھر تقریر فرمارہے ہیں۔ مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ مغرب کے بعد خصوصی مجلس میں اپنے ارشادات خصوصی سے مستفیض فرمارہے ہیں۔ عشاء کے بعد کتاب سنا رہے ہیں۔ احادیث و آثار کی تشریح فرمارہے ہیں۔ ''سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین'' جوش و خروش کے ساتھ بیان ہو رہی ہے۔ سیرت کے نازک نازک گوشے واضح فرمائے جا رہے ہیں۔ سامعین کے ایمان میں تازگی پیدا ہو رہی ہے۔ دلوں میں عظمت اسلام کے نقوش قائم ہو رہے ہیں۔ تبلیغی کام کی برکات واضح ہو رہی ہیں، قرون اولیٰ سے دینی نقل و حرکت کا ثبوت بہم پہنچایا جارہا ہے۔

صبح سے رات تک پوری قوت و طاقت کے ساتھ تقریر کرتے کرتے آواز بیٹھ جاتی تھی، پسینے پر پسینے آتے تھے، سینہ تھک جاتا تھا مگر جذب و کیف کے عالم میں دینی پیغام دیے چلے جاتے تھے۔ آواز کی خستگی میں ایک عجیب دلکشی ہوتی تھی۔ ان کی محفل میں بسا اوقات ایک ہی دن میں آدمی کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی، علم سے تعلق رکھنے والوں کو بہت ہی فائدہ محسوس ہوتا تھا۔ ان کے یہاں کی ایک دن کی حاضری کا کیف و سرور مہینوں باقی رہتا تھا۔

نماز بڑے سوز و گداز اور قلب کی تڑپ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ ان کا ''اللہ اکبر'' کہنا جو فضاؤں کو مرتعش کر دیتا تھا کانوں میں گونج رہا ہے۔ ان کا دعاء کے وقت سراپا تصویر عجز و نیاز بن جانا اور دل کی پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا امت مسلمہ کو دعا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا تھا اور دعا کے اہتمام کی طرف متوجہ کرتا تھا۔

میں جب کبھی حاضر خدمت ہوتا اپنا غم غلط کرنے اور اپنے جذبات پژمردہ میں تازگی پیدا کرنے اور دعاؤں کی برکات حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتا۔ مجھے مولانا کے مستجاب الدعوات ہونا کا تجربہ اور پورا یقین تھا۔

مولانا کے بعض وہ ارشادات بھی یاد آرہے ہیں جو احقر کی موجودگی میں احقر کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں حاضر ہوا تو پورے وثوق اور یقین کامل کے ساتھ فرمایا:

> ''یہ حالات باقی نہیں رہیں گے ہمیں امید ہے کہ اس ہندوستان میں پردۂ غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ہوگا جس سے دین حق کو ترقی ہو اور مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہو۔''

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا:

> ''آج خیر و شر، نیکی و بدی کا امتیاز تک باقی نہیں رہا۔ اگر آج کے دور میں ہم سب مل کر یہ کام انجام دے لیں کہ امت، خیر و شر میں امتیاز کرنے لگے تو بڑا کام ہو جائے۔ نمازوں کی تشکیل، زکوٰۃ کا نظام، روزۂ رمضان کا اہتمام، فریضۂ حج کے آداب کی تکمیل اور تمام اخلاقی اور معاشی سدھار کا مسئلہ آگے کا مرحلہ ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ:

> ''ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت

اللہ تک کا نظام درست ہو جائے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی اور نماز و حج
کو صحیح ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔"

ایک مرتبہ نظام مسجد اور مسجد کے ذریعے امت مسلمہ کے اجتماعی مسائل کی تشکیل پر سیر حاصل گفتگو فرمائی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہؓ کے زمانۂ پُرسعادت کے واقعات عجیب ترتیب کے ساتھ بیان فرمائے۔

نہٹور ضلع بجنور کا گذشتہ سال کا اجتماع یو. پی[1] کے اجتماعوں میں ایک بڑا اجتماع تھا۔ اس میں حضرت مولانا اپنے تمام رفقاء کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ عقیدت مندوں کے ہجوم نے بڑی دشواری پیدا کر دی تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مولانا سے مصافحہ کرلوں۔ انتظاماً قیام گاہ پر بعض میواتیوں کا پہرہ لگانا پڑا۔ پھر بھی قیام گاہ کے دروازے کی چوکھٹ، داخلہ کی بے محابا کوشش کرنے والوں کے ہاتھوں اُکھڑ گئی تھی۔ جب مولانا قیام گاہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تھے مجمع آپ کے اِردگرد سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ جس سے انتشار پیدا ہو جاتا تھا اور ضعیفوں کو تکلیف پہنچنے بلکہ کچل جانے کا بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا رات کے جلسے میں بہزار دقت اسٹیج تک تشریف لائے تو بعد خطبۂ مسنونہ تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ "کیا تم مجھ .... (حمار کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ) کو دیکھنے کے لیے آئے ہو؟ دیکھو میں یہ کھڑا ہوں۔ اگر میری بات سننے آئے ہو تو میری بات سنو۔ پھر جو تقریر فرمائی تو مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ بیس پچیس ہزار کا مجمع خاموشی سے مولانا کی تقریر سن رہا تھا۔ غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آپ کی تقریر سننے آئے تھے۔ مولانا نے خالص انسانیت کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ جس سے ہر ایک متاثر ہوا۔ انصاف و عدل کی صفت پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ انصاف و عدل کے سلسلے میں مذہب یا پارٹی کا سوال پیدا کر کے ناحق کسی کی جانبداری اور طرفداری نہیں کی جائے گی۔

---

[1] یہ اجتماع ۱۹۶۴ء میں ہوا تھا۔ (محب الحق)

بڑی تفصیل سے اس موضوع پر تقریر فرمائی۔

مرادآباد میں آخری تشریف آوری کے موقع پر وہاں مدارس میں پہنچ کر علماء وطلباء کو جو پیغامات دیے وہ بھی یاد رہیں گے۔ مدرسہ شاہی کا اجتماع عوام، علماء اور فضلاء کے مجمع کے لحاظ سے اتنا عظیم تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد سے آج تک وہاں اتنا بڑا اجتماع نہ ہوا تھا۔ حضرت مولانا سید فخر الدین[1] محدث مدظلہ نے ''بخاری شریف'' ختم کرائی اس کے بعد مولانا نے تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں علماء وطلباء کو بصد احترام ان کے

[1] مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادیؒ۔ وطن مالوف ہاپوڑ ہے۔ آپ کے اجداد میں سید قطب اور سید عالم اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ عہد شاہجہانی میں ہرات سے دہلی آئے۔ یہ حضرات اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ شاہجہاں نے ان کے لیے ہاپوڑ میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ سید عالم کا سلسلۂ نسب ۲۶ واسطوں سے حضرت حسینؓ تک متصل ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۰۷ھ موافق ۱۸۸۹ء میں اجمیر میں ہوئی۔ وہاں آپ کے والد ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ چار سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ قرآن کریم والدہ ماجدہ سے پڑھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ خصوصی استفادہ اپنے نانا مولانا مظفر علی اور ہاپوڑ کے ماہر فارسی شیخ کریم بخش سے کیا۔ مولانا خالد سے صرف ونحو شروع کی۔ اسی دوران آپ کے والد نے عہد شاہجہانی کے مدرسہ کی دوبارہ نشاۃ ثانیہ کی جو ۱۸۵۷ء میں انقلاب کی نذر ہو گیا تھا۔ چند سال اس میں تعلیم پائی۔ بعدہٗ مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا ماجد علی جونپوریؒ سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ مولانا ماجد علی کے ساتھ مدرسہ حسین بخش دہلی چلے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ رہ کر مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے امتحان داخلہ لیا۔ امتحان میں امتیازی نمبرات سے پاس ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ایما پر دورۂ حدیث کی تکمیل دو سال میں کی۔ دارالعلوم کی تعلیم کے زمانہ میں معقولات کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔ ۱۳۲۸ھ موافق ۱۹۱۰ء میں فراغت حاصل کی اور دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو گئے۔ ایک سال کے بعد اکابر دیوبند کے مشورے سے شوال ۱۳۲۹ھ موافق ۱۹۱۱ء میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں درس کا آغاز کیا جو تقریباً ۴۸ سال تک قائم رہا۔ ۱۳۷۷ھ موافق ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے وصال کے بعد دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے منصب شیخ الحدیث کے لیے آپ کو منتخب کیا۔ اس سے پہلے حضرت مدنیؒ کی گرفتاری اور رخصت کے زمانہ میں دو مرتبہ دارالعلوم میں بخاری شریف کا درس دے چکے تھے۔ درس کے ساتھ ساتھ تحریک آزادیٔ وطن میں بھی حصہ لیا اور جیل بھی جانا پڑا۔ حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد مولانا احمد سعید دہلویؒ جمعیۃ علماء ہند کی صدارت پر فائز ہوئے۔ بعدہٗ آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا چوتھا صدر منتخب کیا گیا۔ آخر عمر میں بغرض علاج مرادآباد لے جائے گئے وہاں اہل خاندان مقیم تھے۔ ۲۰؍صفر ۱۳۹۲ھ موافق ۵؍اپریل ۱۹۷۲ء میں وصال ہوا اور مرادآباد ہی میں تدفین ہوئی۔ (محب الحق)

فرائض منصبی کی طرف متوجہ فرمایا اور درس وتدریس کی اہمیت کو واضح کیا۔ وہاں کی تقریر اس قدر جامع اور بصیرت افروز تھی کہ اگر ہمارے مدارس عربیہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان میں دوبارہ بہارِ تازہ آجائے۔ اس موقع پر مولانا نے ان بعض شبہات اور اشکلات کا جواب بھی دیا جو بعض اصحاب مدارس کی زبان پر نیک نیتی کے ساتھ تبلیغی کام کی نقل وحرکت کے سلسلے میں آتے رہتے ہیں۔

مراد آباد سے امروہہ تشریف لائے یہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں ختم بخاری کے بعد علماء، طلباء اور شہر کے باشندوں کے سامنے موضوع علم پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ آغاز کلام میں جو بات فرمائی اس کا مفہوم تقریباً یہ تھا کہ ''ایک علم کا صحیح ہونا ہے اور ایک صحیح علم کا استعمال صحیح ہونا ہے۔ اگر علم صحیح ہوا اور اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو یہ بھی خسارہ کی بات ہے۔'' یہ ایک الہامی اور معرکۃ الارا تقریر تھی جس میں تمام حاضرین کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ یہ آخری تقریر تھی جو میں نے حضرت مولانا کی زبان سے سنی تھی۔ پھر اس کے بعد موقع ہی نہ ملا کہ حضرت مولانا کے ارشادات سے مستفیض ہوتا۔

باتیں تو بہت سی یاد آتی ہیں مگر میں اتنی ہی پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا کی چند خصوصیات کا ذکر کر کے اپنے اس مقالہ کو ختم کروں۔

۱. بغیر کسی لمبی چوڑی تمہید کے تقریر میں اصل مقصد کو قوت کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ بار بار فرماتے تھے کہ اللہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ چیزیں نفع ونقصان پہنچانے میں اللہ کی محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ کلمہ طیبہ کی تفسیر وتشریح وجد انگیز انداز میں بیان فرماتے تھے۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نقش قدم صحابہؓ پر چلنے کی پُر زور دعوت دیتے تھے۔ ان کی تقریر میں ایک محدث ومفسر، ایک صوفی ودرویش، ایک مفکر ومؤرخ کا ملا جلا انداز ہوتا تھا۔

۲. مایوسی کو کبھی اپنے اندر نہیں آنے دیا۔ عالی حوصلگی اور نصب العین کی بلندی کی

طرف رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے والے چند اکابر میں حضرت مولانا کی ذات عالی بھی تھی۔

۳. دعاؤں کا خاص اہتمام تھا۔ دعا مانگتے وقت مجسم دعا بن جاتے تھے۔ مولانا نے اپنے اہتمام دعا سے دعا کی اہمیت و عظمت کی بے شمار دلوں میں قائم کرنے کی صورت پیدا کی۔ حضرت مولانا کے دعا مانگتے وقت قلب پر عجیب سکون طاری ہو جاتا تھا۔

۴. مولانا قدیم و جدید دونوں حلقوں میں مقبول تھے۔ ان کی معلومات کا حلقہ بہت وسیع تھا ان کی تقریر سے ایک عالم اور عامی، کاشتکار و دستکار اور ایک سائنسداں اور انجینئر مساوی مستفیض ہوتے تھے۔ آپ نہ صرف مذہبی و روحانی تقریر کرتے تھے بلکہ حسب موقع خصوصی مجلسوں میں اقتصادیات، معاشیات، تعلیمات اور سیاسیات کے مسائل بھی حل فرماتے تھے اور اس کے نقشے اور خاکے بتاتے جاتے تھے۔ مگر یہ سب مضامین اسلام کی تعلیمات، سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کردارِ صحابہؓ کی روشنی میں بیان ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیمیافتہ طبقہ اور ذہنی اعتبار سے علوم جدیدہ سے متاثر اشخاص آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوتے تھے اور بالآخر دلی اطمینان کے ساتھ دینی کام میں نمایاں حصہ لینے لگے تھے۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے بہت سے طلباء کی اخلاقی اور روحانی ترقی میں مولانا کے اس کمال کا بہت بڑا دخل ہے۔

۵. مولانا دوسروں ہی سے دینی نقل و حرکت کرنے اور باہر نکلنے کے لیے نہیں فرماتے تھے۔ خود بھی حسب ضرورت مرکز سے باہر رہتے تھے اور مہینوں باہر گزارتے تھے۔ حالانکہ مرکز میں ان کی موجودگی کی ضرورت کچھ کم نہ تھی ہندوستان و پاکستان کے متعدد شہروں، قصبوں، دیہاتوں میں عام اجتماعوں اور مدارس و مراکز کے خصوصی مجمعوں میں اپنا دینی پیغام پہنچاتے رہے۔ چنانچہ مسافرت اور غریب الوطنی کے عالم ہی میں دین کی جدوجہد کرتے ہوئے ان کی روح اعلیٰ علیین کو سدھاری۔ حج کا فرض بھی کا ادا کر چکنے کے بعد نفلی

حج اور عمرے کے لیے جماعتیں لے لے کر کئی مرتبہ حجاز مقدس پہنچے اور وہاں عالم اسلامی کے اجتماع سے دینی فائدہ اُٹھایا۔ ملکوں کے لیے جماعتیں وہاں سے روانہ کیں۔ مقدس مقامات میں دنیا کے مسلمانوں کے لیے عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے خصوصاً خیر و عافیت اور دینی و روحانی ترقی کے لیے دعائیں کیں۔ اپنی جدوجہد کے ذریعہ عالم اسلامی سے ایک خاص رابطہ پیدا کیا۔

۶. اپنے اکابر کے ساتھ والہانہ اور خادمانہ انداز رکھتے تھے۔ بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی جدائی سے مولانا کو جو صدمہ ہوا تھا اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ سلامت رکھے حضرت شیخ الحدیث[1] مدظلہ کو ان سے قریبی رشتہ داری کے علاوہ جو قلبی اور روحانی تعلق تھا اس کی نظیر موجودہ زمانہ میں مشکل سے ملتی ہے۔ آج کے دور میں بزرگوں کے ساتھ یہ محبت، یہ سعادتمندی، یہ خلوص اور یہ جذبۂ تعظیم و تکریم بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

۷. مولانا اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والے تمام حضرات کا اور پرانے کارکنوں کا بڑا احترام اور اعزاز فرماتے تھے۔ نیز مرکز کے تمام رفقاء اور بیرونِ مرکز کے تمام کام کرنے والوں سے جن میں امیر بھی تھے، غریب بھی، عالم بھی تھے، عوام بھی، تاجر بھی تھے، کاشتکار بھی، یونیورسٹی، کالج اور اسکولوں کے اساتذہ بھی تھے اور طلباء بھی۔ اسلامی مدارس کے معلمین بھی تھے اور متعلمین بھی، دفتر کے ملازمین بھی تھے اور ڈاکٹر و انجینئر بھی۔ سب سے بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ سب کام کرنے والوں کی طرف سے اپنا سینہ اور دل صاف رکھتے تھے اور اس کا اہتمام کرتے تھے، اگر کسی کی کوتاہی معلوم بھی ہوگئی تو حکمت

---

[1] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم سہارنپوری مہاجر مدنیؒ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ عرب و عجم کے بلند پایہ شیخ الحدیث اور شیخ طریقت تھے۔ آپ کا وصال ''مدینہ منورہ'' میں یکم رشعبان ۱۴۰۲ھ موافق ۲۴ رمئی ۱۹۸۲ء میں ہوا۔ ''جنت البقیع'' ابدی آرام گاہ بنی۔ (محب الحق)

عملی سے اس کا تدارک فرماتے تھے۔ مختلف مزاج اور مختلف کاروبار کے لوگوں کو یوں جوڑے رکھنا بغیر روحانیت اور نفسانیت کی مہارت کے مشکل ہے۔

۸. مولانا نے تبلیغی کام چلانے کے لیے کبھی مادّی ذرائع اور روپے پیسے کا سہارا تلاش نہیں کیا۔ بزرگانِ ملت کے طریقہ اور اپنے خاندانی متوکلانہ و درویشانہ روایات پر قائم رہے۔ فتوحات کے طور پر بھی جو کچھ آیا اس میں سے اپنے اور اپنے اہل وعیال پر بہت کم اور صرف بقدر کفاف اور دینی جدوجہد کی ضروریات اور مستحقین پر بہت زیادہ صرف کیا۔ ان کے لنگر کا خرچ اتنا تھا کہ کسی ریاست کا خزانہ بھی اس کے لیے کفایت نہ کرتا۔ سب کام غیب سے ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔

۹. سیاسی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے اہل سنت و جماعت میں جو تفریق ہو گئی ہے اس کو اپنی حکمت عملی سے کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی۔ تبلیغی کام پر معاندین نے سخت سے سخت تنقیدیں کیں اور چھوٹے بڑے رسالے لکھے۔ مگر مولانا نے ان پر کبھی توجہ نہ کی۔ نہ جواب دینے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ بلکہ اختلافات کی وسیع خلیج کو پاٹنے کی متواتر کوشش فرماتے رہے جس میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

۱۰. ہند اور بیرونِ ہند میں کام کی کتنی اشاعت ہو جانے اور آپ کی شخصیت اتنی معروف ومشہور ہو جانے کے بعد بھی کبھی آپ نے خود تو کیا کسی دوسرے کو بھی اجازت نہ دی کہ ان کی شخصیت کی طرف دعوت دی جائے اور لوگوں کو ان کے حلقۂ بیعت میں داخل کیا جائے۔ آپ نے سب حلقوں کا اکرام کیا، سب مشائخ کا اعزاز کیا، سب مدارس کو اپنا سمجھا، سب علماء کی تعظیم وتکریم کی۔ اپنے معاصرین سے چاہے وہ دین کے کسی شعبہ میں کام کر رہے ہیں اچھے تعلقات رکھے۔ اپنے طرز عمل سے کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ عام و خاص مسلمانوں کے جس اکرام کی اور امت کے مختلف طبقات کو باہم قریب کرنے کی وہ مسلمانوں کو جو تعلیم دیتے تھے خود ان کی ذات اس کا بہترین نمونہ تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ

مولانا کو اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے صاحبزادے میاں محمد ہارونؒ[1] سلمہٗ اور ان کے جانشین حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی[2] مدظلہ اور دیگر رفقاء کو صحت و عافیت کے ساتھ دینی کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کو نیز تمام اکابر کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

1۔ مولانا محمد ہارون کاندھلویؒ۔ آپ کی ولادت ۲۴؍رمضان ۱۳۵۸ھ موافق ۸؍نومبر ۱۹۳۹ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے مکان پر ہوئی۔ تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوا۔ مرکز تبلیغ نظام الدین میں حافظ سلطان احمد صاحب اور حافظ نورالدین صاحب میواتی سے حفظ مکمل کیا۔ بعدہٗ فارسی، عربی شروع کی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے کاندھلہ کی خاندانی مسجد میں آمدنامہ کی بسم اللہ کرائی۔ آپ نے بڑی محنت کے ساتھ ابتدائی اور متوسط کتابیں مولانا منیرالدین میواتیؒ، مولانا محمد یعقوب سہارنپوریؒ، مولانا عبیداللہ بلیاویؒ، اپنے والد ماجد مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ سے مکمل کر کے صحاح ستہ کی تکمیل جامعہ مظاہر علوم میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، مولانا امیر احمد صاحبؒ، مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ اور مولانا اسعداللہ صاحبؒ سے ۱۳۸۱ھ میں کیں۔ مرکز نظام الدین کے مدرسہ ''کاشف العلوم'' میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ درس اور دعوت و تبلیغ کے ساتھ مرکز نظام الدین کی امامت اور نماز جمعہ کی خطابت بھی تفویض ہوئی۔ دعوت کے سلسلہ میں علاوہ ہندوستان کے پاکستان، بنگلہ دیش، حجاز، برما، تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور اور سری لنکا کے اسفار کیے۔ صرف ۳۵ سال کی عمر ہوئی اور ۶ حج کیے۔ بیعت پہلے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے ہوئے۔ ان کی وفات کی بعد اپنے نانا شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ سے تجدید بیعت کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ عالم جوانی میں ۳۰؍شعبان ۱۳۹۳ھ موافق ۲۸؍ستمبر ۱۹۷۳ء میں وفات ہوئی۔ نماز جنازہ مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے پڑھائی اور دہلی ہی میں مدفون ہوئے۔

2۔ حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ۔ آپ کی ولادت ۱۸؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ موافق ۲۰؍فروری ۱۹۱۸ء میں ہوئی۔ شیوخ کاندھلہ کا سلسلۂ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے متصل ہوتا ہے۔ آپ نے حافظ منگو صاحبؒ سے قرآن کریم حفظ کیا۔ بعدہٗ ابتدائی عربی فارسی اپنے نانا حکیم عبدالحمید صاحب سے پڑھیں۔ پھر دہلی چلے گئے، وہاں مدرسہ کاشف العلوم بنگلہ والی مسجد مرکز تبلیغ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے میزان سے ابن ماجہ، نسائی، شرح معانی الآثار، مستدرک اور حاکم تک پڑھیں۔ بقیہ علوم کی تکمیل جامعہ مظاہر علوم میں کر کے ۱۳۵۴ھ میں صحاح ستہ کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ حافظہ غضب کا تھا جو کچھ پڑھتے تھے وہ حافظہ میں محفوظ رہتا تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی صاحبزادی آپ سے منسوب تھیں۔ سلوک و معرفت کے مراحل حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے طے کر کے اجازت و خلافت حاصل کی۔ مولانا محمد یوسفؒ کے وصال کے بعد امیر تبلیغ بنائے گئے۔ مرکز تبلیغ نظام الدین کو پوری دنیا سے جوڑ دیا۔ درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کی مشغولیت کی وجہ سے تصانیف کا موقع کم ملا۔ صرف دو کتابیں ''تراجم ابواب بخاری اور ابواب منتخبہ مشکوٰۃ'' یادگار ہیں۔ ۱۰؍محرم ۱۴۱۶ھ موافق ۱۰؍جون ۱۹۹۵ء یوم عاشورہ کو وصال ہوا۔ مولانا محمد یوسفؒ کے پہلو میں سپرد رحمت ہوئے۔ (محب الحق)

مقالہ (۱۰)[1]

حکیم سید سلطان احمد امروہوی مرحوم کی یاد

حکیم سید سلطان احمد مرحوم میرے ماموں زاد بھائی تھے اور مجھ سے ایک ڈیڑھ سال چھوٹے تھے۔ میرے ماموں کے صرف ایک بہن میری والدہ مرحومہ تھیں۔ میں دو ڈھائی سال کا ہوں گا کہ میرے والد مولوی حسین احمد فریدی کا انتقال ہو گیا۔ ماموں صاحب نے میری والدہ اور میرے بھائیوں اور بہنوں کا بہت خیال رکھا، کئی کئی دن ماموں صاحب کے یہاں والدہ صاحبہ اور ہم سب بھائی بہن رہتے تھے۔ حکیم سلطان احمد مرحوم کھیل کود میں میرے ساتھ رہتے تھے۔ ان کی مکتب مجھے خوب یاد ہے، بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ سوا چار سال کی عمر میں یہ تقریب ہوئی تھی اور چاندی کی تختی بڑی خوبصورت بنوائی گئی تھی۔ میں نے پہلے پڑھنا شروع کر دیا تھا اور مجھے بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا۔ میری رسمی مکتب بھی نہیں ہوئی۔ ماموں صاحب کی خاص عنایت میرے اوپر رہتی تھی اور ممانی صاحبہ بھی میرے اوپر خاص نظر عنایت رکھتی تھیں۔ ''رموز الاطباء'' اور چند دیگر طبی اور ادبی کتابیں بھی مطالعہ میں رہتی تھیں۔ واقعات لکھنے کے لیے تو ایک دفتر چاہیے۔ اس وقت تو عزیزی خورشید مصطفیٰ[2] رضوی

---

[1] یہ مقالہ سالنامہ ''درِ مقصود'' جلد ۶۹ ۱۴۰۵ھ موافق ۱۹۸۵ء شعبہ معلومات انجمن سادات رضویہ امروہہ سے لیا گیا ہے۔ [2] سید خورشید مصطفیٰ رضوی امروہوی۔ آپ عہد اکبری کے مشہور و معروف شیخ طریقت حضرت سید عبداللہ المعروف شاہ ابن بدر چشت کرمانی امروہیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ امروہہ، مراد آباد، بریلی، رامپور میں تعلیم حاصل کی۔ ان جگہوں پر آپ کے والد انیس الدین صاحب وکالت کرتے تھے۔ بعدہٗ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے بی۔ ایس۔ سی۔ کیا۔ دہلی یونیورسٹی سے بی۔ لب کی ڈگری حاصل کی۔ دہلی یونیورسٹی ہی میں ملازمت شروع کی اور وہاں کے ڈپٹی لائبریرین کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ملازمت کی مصروفیت کے باوجود آپ ایک اچھے صاحب قلم بھی تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، حیات ذاکر حسین، تذکرہ بدر چشت، صحیفہ بدر چشت، حکیم کلب علی شاہد شخصیت اور فن، تاریخ کی سچائیاں، شیر ہندوستان ٹیپو سلطان، چند تاریخی حقائق، بابر (ظہیر الدین بابر)، تاریخ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، روہیل کھنڈ تاریخ کے آئینے میں۔۔۔۔۔۔ مسلسل

سلّمہ، کی فرمائش پر چند صفحات لکھوا رہا ہوں۔ سب سے پہلے ایک لطیفہ بیان کرتا ہوں۔ حکیم سلطان احمد نے جب زبان کھولی تو مجھے بجائے نسیم کے ''چیم'' کہہ کر پکارا۔ ان کی زبان سے نسیم نکلتا ہی نہ تھا۔ ان کو چھیڑا بھی جاتا تھا کہ تم ''چیم'' کہہ رہے ہو۔ ان کے ''چیم'' کہنے کی وجہ سے میرے بڑے بھانجے شکیل احمد مرحوم نے بھی جب زبان کھولی تو مجھے ''جیم ماموں'' کہا۔ چ کو، ج سے بدل دیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ لفظ میرے سب بھانجوں اور بھانجیوں کی زبان پر آیا اور وہ مجھے میم کی تخفیف کر کے ''جی ماموں'' کہنے لگے۔

ابتدائی تعلیم کے زمانہ کے دو تین اور واقعات سنانے کے قابل ہیں۔ میری دس گیارہ سال کی عمر ہوگی کہ دل میں شوق سمایا کہ ایک کتاب چاہے مختصر ہی ہو لکھ کر چھپوانی چاہیے۔ حکیم صاحب اس معاملہ میں بھی میرے ساتھ رہے۔ میں نے چند مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا اور چند ابواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق سے قائم کر کے ''ریاضی پریس امروہہ'' میں چھپوایا۔ کتاب کا نام ''مجمع البیان'' رکھا، ٹائٹل پر اپنا نام بحیثیت مؤلف کے لکھوایا اور ''حسب فرمائش حکیم سلطان احمد رضوی'' بھی اس پر لکھوایا۔ تمام اخراجات مرحوم نے اپنے والد سے لے کر برداشت کیے اور ہم مفت کے مصنف بن گئے۔ بعض معمر حضرات نے طعنہ دیا کہ ''میاں! کہاں سے یہ مضامین نقل کر لیے ہیں، تمہاری تو یہ استعداد نہیں'' اسی وجہ سے وہ مطبوعہ رسالے ماموں صاحب کی الماری میں رکھ دیے گئے۔ کچھ عرصہ ہوا اس کے چند نسخے ہاتھ آئے۔ اسی زمانہ میں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کونسل کی ممبری کے لیے امروہہ سے کھڑے ہوئے تھے۔ الیکشن بڑے زور شور سے ہوا۔ غالباً ڈاکٹر شفاعت احمد خاں مراد آباد سے کامیاب ہوئے۔ اس الیکشن کے بعد ہم دونوں نے آپس میں ایک مصنوعی الیکشن لڑایا۔ جھنڈا شہید پر مزار کے قریب والے مکان میں پولنگ اسٹیشن تھا۔ دو تین محلوں

مسلسل ..... یہ تمام کتابیں علمی، تاریخی اور تحقیقی ہیں۔ آپ تقریباً پچاس سال (۱۹۵۲ء سے ۲۰۰۱ء) انجمن سادات رضویہ امروہہ کے سالانہ مجلّہ ''درِ مقصود'' کے مدیر رہے۔ ۳۱ جولائی ۲۰۰۲ء کو انتقال ہوا۔ (محب الحق)

کے کثیر تعداد لڑکوں نے حصہ لیا اور بھاری اکثریت کے ساتھ حکیم سلطان احمد کو جتایا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے ووٹوں کے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بڑے حکیم صاحب کے صاحبزادے ہیں اور میں ایک یتیم اور نادار ہوں۔ اسی وجہ سے ان کے اثرات زیادہ اور میرے اثرات کم ہیں۔ اس کے بعد اس زمانہ سے لے کر آج تک الیکشن سے دلچسپی نہ ہوئی اور میں کسی الیکشن میں حصہ لینے کے لیے آج تک تیار نہ ہوا۔

انھوں نے اس وقت جب کہ میں چھٹے یا ساتویں درجہ میں تھا، فارسی و عربی شروع کر دی تھی۔ حضرت مولانا سید رضا حسن امروہیؒ (برادر زادہ و داماد حضرت محدث امروہیؒ) نے ان کو غالباً شرح جامی تک پڑھایا اور مولوی قدرت اللہ حبابؔ[1] نے ان کو فارسی پڑھائی۔ وہ طبیہ کالج دہلی میں داخلہ کا ارادہ کر رہے تھے۔ اس لیے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ[2] سے ابتدائی طب پڑھی۔ حافظ صاحبؒ ان کے والد کے تایا حکیم سید علی حسن مرحوم کے فن طب میں شاگرد تھے اور ٹونک جا کر حکیم صاحب کے مطب میں شرکت کی تھی۔

میں نے ۱۹۲۷ء میں مڈل پاس کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے اور مرحوم نے منشی (الہ آباد بورڈ) کے امتحان کی تیاری کی۔ اس امتحان میں حصہ لینے کا سبب عرفی شیرازی کا ایک شعر بنا، جو یہ تھا

من کہ باشم عقل کل را ناوک اندازِ ادب ☆ مرغ اوصاف تو از اوجِ بیاں انداختہ

ایک فارسی خواں نے اس شعر کو ہم دونوں کے سامنے پیش کر کے اس کا مطلب معلوم کیا۔ ہمیں پہلی دفعہ فارسی کے ایک مشکل شعر پر غور کرنے کا موقع ملا۔ غرض ہم دونوں نے

---

[1] مولوی قدرت اللہ حبابؔ امروہوی۔ آپ محلہ ملانہ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ شیوخ صدیقیان میں سے تھے۔ امروہہ کے ذی علم شعراء میں سے تھے۔ اردو، فارسی دونوں زبانوں میں ید طولیٰ حاصل تھی۔ امروہہ کے استاد شعراء میں شمار تھا۔ مولانا حبیب احمد اقی کاظمیؒ لکھتے ہیں ''کلام میں تشبیہات و تلازمات کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ امانت لکھنوی بول رہے ہیں۔'' آپ کا ایک مسدس ''ارمغان قدرت'' کے نام سے شائع ہوا جو ۲۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔ حباب کے علاوہ قدرت بھی تخلص تھا۔ [2] مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقیؒ کے مفصل حالات مقالات فریدی جلد اول بعنوان حضرت نانوتوی کی آخری یادگار میں ملاحظہ کریں۔ (محب الحق)

''نورالمدارس'' میں داخلہ لیا۔ منشی عبدالرب صاحب شکیبؔ وہاں فارسی کے استاذ تھے۔ وہ بڑے صاحب ذوق اور شفیق استاذ تھے۔ منشی کے امتحان کے لیے ہم دونوں نے خوب محنت کی۔ میرٹھ میں امتحان ہوا، میں پاس ہوا حکیم صاحب رہ گئے۔ انھوں نے دوبارہ امتحان نہیں دیا اور طبیہ کالج دہلی میں داخل ہو گئے۔ اس وقت طبیہ کالج میں بڑے ماہرین فن جمع تھے۔

۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا نواں سالانہ اجلاس امروہہ میں منعقد ہوا۔ یہ ایک عظیم الشان اجلاس تھا۔ تمام ہندوستان کے سیکڑوں علماء ہر صوبے سے شرکت کے لیے آئے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہؒ، سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہارویؒ، مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہیؒ اس اجلاس میں شریک تھے۔ اجلاس میں ہم دونوں ''ڈیلی گیٹ'' کی حیثیت سے سبجیکٹ کمیٹی (مجلس مضامین) میں شرکت کرتے تھے۔

مولانا سید محمد صالح رضوی[1] کے مشورے سے ہم دونوں نے ایک انجمن ''مصباح السنہ'' کے نام سے بنائی تھی، شہر کے ہر ہر محلہ سے اس کے ممبر بنائے گئے تھے۔ اس کے ایک سالانہ جلسہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ[2] بھی تشریف لائے تھے۔ حکیم صاحب شاہ

۱۔ مولانا سید محمد صالح رضوی امروہی ثم کراچوی۔ آپ امروہہ کے سادات رضویہ میں سے تھے۔ تمام علوم متداولہ کی تحصیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور وہیں کی خاک میں سپرد رحمت ہوئے۔ مولانا فریدیؒ کے احباب میں سے تھے۔ ۲۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ آپ کی ولادت ۱۸۹۱ء میں پٹنہ کے معزز دینی، روحانی خانوادہ میں ہوئی۔ والد کا نام ضیاء الدین احمد تھا۔ آپ کا خاندان سادات حسنی سے تعلق رکھتا ہے۔ شجرۂ نسب ۳۹ ویں پشت میں حضرت حسنؓ سے ملتا ہے۔ آپ کی نشو و نما دینی ماحول میں ہوئی۔ خواجہ عنبر کی مسجد پٹنہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور وہیں قرآن کریم حفظ کیا۔ ۱۹۱۳ء میں آپ کے دادا امرتسر چلے گئے وہاں آپ نے مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ، مولانا نور احمد امرتسریؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے بیعت ہوئے اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ وطن کی آزادی کے سلسلے میں آٹھ سال تک جیل میں رہے۔ تقسیم ملک کے بعد یہ خاندان لاہور بعدہٗ ملتان منتقل ہو گیا۔ قادیانیت کی تردید میں تین مرتبہ جیل گئے۔ قدرت نے غیر معمولی..... مسلسل

صاحب موصوف کے بہت معتقد اور گرویدہ تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور مجاہد ملتؒ سے ان کے بہت کچھ روابط تھے۔ وہ چند سال طبیہ کالج میں پڑھنے کے بعد ''فاضل الطب والجراحت'' کی سند لے کر امتیازی شان کے ساتھ امروہہ آئے اور اپنے والد کی جگہ مسند طبابت پر فائز ہوئے۔ ان کے والد کا کتب خانہ خاندانی بیاضوں لکھنؤ، دہلی اور دیگر مقامات کے محققین کی مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ مرحوم کو اپنے والد کی سب بیاضوں اور کتابوں کی حفاظت ونگہداشت کے ساتھ ساتھ ان کا مطالعہ کرنے اور ان کے مجربات پر عمل کرنے کا ایک بہت اچھا موقع ملا۔ امروہہ کے معمر اور سن رسیدہ بزرگوں سے ملنے اور ان سے ماضی کے اہم واقعات سننے کا مرحوم کو بہت شوق تھا۔

حاجی محبوب خاں مرحوم جن کی عمر سو سال سے زائد ہوئی، حکیم صاحب کو ان کے دادا پردادا کے حالات اور مطب کے واقعات سناتے رہتے تھے۔ وہ حکیم نثار علی اور حکیم اکبر علی کو دیکھے ہوئے تھے اور غالباً حکیم عسکری کو بھی انھوں نے دیکھا ہوگا۔ بہادر شاہ ظفر کے درباری مولوی سید سبحان علی کی بھی انھوں نے صحبت اُٹھائی تھی۔ راقم الحروف کا مزاج بھی اس بارے میں حکیم صاحب سے ملتا جلتا تھا اور احقر بھی بزرگوں سے پرانے واقعات سنتا رہتا تھا۔

حکیم سلطان احمد کا انتقال ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۳ء کو ہوا۔ اسی سال ۲۳؍دسمبر کو میرے حقیقی بھائی ابرار احمد فاروقی کا کراچی میں انتقال ہوا۔ یہ دونوں صدمے میرے لیے بہت ہی شدید اور روح فرسا ہیں۔ سچ پوچھیے تو اس وقت خاندان عسکری میں حکیم سلطان احمد ایک ممتاز فرد تھے۔ ان کے مطب نے ایک طرف افسر الاطباء حکیم سید احمد سعید کی یاد تازہ کردی تھی اور دوسری طرف حکیم سید علی حسن کے معالجات اور فنی کمالات کو آشکارہ کردیا تھا۔ مضمون میں یہ بات لکھنے سے رہ گئی کہ جب میں نے اپنی کنیت ''ابوالسحر'' لکھنا شروع کی تو انھوں نے اپنی کنیت ''ابوالبیان'' رکھی۔

مسلسل...... فصاحت و بلاغت عطا کی تھیں۔ اپنی شعلہ بیانی خطابت، سیاست اور تبلیغ دین میں بے نظیر تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ۱۹۳۰ء اجلاس امروہہ میں شرکت کی۔ ۳۱؍اگست ۱۹۶۱ء میں یہ مرد مجاہد اور برصغیر کی آزادی کا علمبردار موت کی آغوش میں چلا گیا۔ ملتان کے قبرستان جلال باقری میں محو آرام ہیں۔ (محب الحق)

مقالہ[1] (۱۱)

مولانا محمد حیات سنبھلیؒ بانی جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد

حضرت مولانا محمد حیاتؒ اکابر واسلاف کی ایک عظیم یادگار تھے۔ تقریباً ۱۰۰ سال سے کچھ زیادہ عمر پائی (ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کئی روایتیں ہیں) ان کی زندگی کے تقریباً ۷۵ سال درس و تدریس میں گزرے۔ آپ نے اپنے وطن سنبھل میں حافظ جلال الدین صاحب سے قرآن پاک ناظرہ پڑھا اور منشی امام الدین صاحب سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ یہیں پر حضرت مولانا عبدالوحید سنبھلیؒ سے میزان ومنشعب پڑھی۔ پھر مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں صرف ونحو کی کتابیں حضرت مولانا عبدالوحید سنبھلیؒ اور حضرت مولانا نور احمد مظاہری امرتسری سے پڑھیں۔ بعدہٗ مولانا عبدالوحید صاحب کے ساتھ مدرسہ یوسفیہ مینڈھو ضلع علی گڑھ جا کر شرح جامی، قطبی وغیرہ پڑھیں۔

۱۲۹۹ھ میں مولانا عبدالوحید صاحب کے ساتھ مظاہر علوم سہارنپور میں آئے اور مختلف اساتذہ سے منقول ومعقول کی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۳۱ھ میں محدث شہیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ اور دیگر اساتذہ حدیث سے دورۂ حدیث پڑھا۔ فارغ ہو کر لاہور، رنگون، میرٹھ، بریلی، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں ہر علم وفن کی کتابوں کا درس دیا۔ ۱۳۷۶ھ میں محلہ پیرزادہ مرادآباد میں "جامعہ حیات العلوم" کی بنیاد رکھی اور اسی میں آخر وقت تک درس دیتے رہے۔ جامعہ حیات العلوم میں "بخاری شریف" کا ختم بڑے اہتمام سے ہوتا تھا۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کئی سال ختم بخاری میں تشریف لائے اور اپنے درسی افادات سے طلباء کو مستفیض فرمایا۔ کئی سال سے حضرت مولانا مرحوم خود ہی بخاری شریف کے آخری سبق کو پڑھاتے تھے۔ گذشتہ سال امام بخاریؒ کے حالات اور ان کی کتاب پر مفصل

---

[1] یہ مقالہ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ جلد ۵۶ شمارہ ۳ بابت رجب ۱۴۰۸ھ موافق مارچ ۱۹۸۸ء سے لیا گیا ہے۔ (محب الحق)

اور سیر حاصل تقریر کر کے بخاری کی آخری حدیث کی نہایت دل نشیں انداز میں تشریح کی۔ جس میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہوئے۔

جب میں حاضر خدمت ہوتا تو بہت خوش ہوتے اور بزرگانہ شفقت سے پیش آتے۔ ختم بخاری کے موقع پر شعبان ۱۴۰۷ھ میں میری ان سے آخری ملاقات ہوئی۔ حد سے زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا۔ آپ سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے۔ حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالمالک نقشبندی مجددی بھاولپوریؒ کی طرف رجوع کیا اور ان سے بیعت ہو کر بالآخر ان کے خلیفہ و مجاز ہوئے۔

مولانا سید محمد شاہد سلمہ نواسہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ''علمائے مظاہر علوم کی تصنیفی خدمات'' میں مولاناؒ کے مفصل تذکرہ کے ضمن میں ان کی ۳۸ تالیفات و تراجم کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں کا مختصر تعارف کرایا ہے اور ان میں سے زیادہ تر مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔ چند کتابیں یہ ہیں: (۱) حاشیہ جلالین عربی (۲) ترجمہ تفسیر حسینی اردو (۳) تعلیقات علیٰ سنن ابی داؤد (۴) تعطیر المشام ترجمۂ اردو بلوغ المرام (۵) ترجمہ بخاری شریف اردو مکمل (۶) ترجمہ طحاوی چہار جلد (۷) شرح حجۃ اللہ البالغہ اردو (۸) نظم الدرر خلاصہ نخبۃ الفکر (۹) شرح نورالانوار (۱۰) ترجمہ و شرح مسلم الثبوت (۱۱) ترجمہ شامی جلد اول اردو (۱۲) ترجمہ نورالایضاح (۱۳) ترجمہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۴) مواہب رحمانی ترجمہ میزان شعرانی (۱۵) شرح تلخیص المفتاح اردو (۱۶) تحفۃ المبلغین (۱۷) سعیدیہ شرح اردو کافیہ (۱۸) حاشیہ پنج گنج اردو (۱۹) حاشیہ علم الصیغہ اردو (۲۰) حاشیہ شرح تہذیب اردو (۲۱) شذرات شرح مرقاۃ (منطق) (۲۲) شرح سبعہ معلقہ اردو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تدریسی و تصنیفی خدمات کے لیے وقف مولانا کی زندگی کو قبول فرمائے۔ آپ کا وصال مرادآباد میں ۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۸۷ء بروز سہ شنبہ ہوئی اور دوسرے دن ۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ کو دفن ہوئے۔

مقالہ[۱] (۱۲)

پیش گفتار

تعارف نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

الحمدللہ و الصلوٰۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفٰے

۱۹۴۷ء سے کچھ عرصہ پہلے مجھے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری مرحوم (متوفی ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء) کے کتب خانہ کو پہلی بار دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مولانا موصوف اس وقت بقید حیات تھے، مگر بہت کمزور اور صاحب فراش ہو چکے تھے۔ میں نے اس بار تنگی وقت کے سبب سے ان کے ذخیرہ کی فہرست کتب ہی کے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا جس میں ''فن تصوف'' کے ذیل میں ''مکتوباتِ شیخ ولی اللہ'' کے نام سے ایک قلمی نسخہ نظر سے گزرا۔ اب یاد نہیں کہ اسی وقت ان مکاتیب کو سرسری طور پر دیکھا تھا یا دوسری حاضری میں دیکھا۔ حضرت چاند پوریؒ کی حیات میں دوسری بار بھی ان سے ملاقات کرنے کے لیے گیا تھا۔ اور یہ تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے کچھ بعد کا زمانہ ہے۔ مولانا مرحوم ایک عرصے سے ''ازالۃ الغین'' (مصنفہ مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ) کے آخری دو مقالوں کی جستجو میں تھے۔ میری پہلی

[۱] حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ برصغیر کے عظیم محقق اور مبصر تھے۔ آپ کی شخصیت اور کارناموں سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں۔ مولانا کا عظیم کارنامہ ''مکتوباتِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ'' کی دریافت ہے۔ مولانا نے ان مکتوبات کو دریافت کر کے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے اس کے متن کو درست کیا اور پھر بڑی لگن کے ساتھ اس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ دو جلدوں میں حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت ضلع مظفر نگر سے شائع ہو چکے ہیں اور فارسی متن رضا لائبریری رامپور سے شائع ہوا۔ پیش گفتار کے عنوان سے مولانا فریدیؒ نے نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ جلد اول میں مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا تعارف کرایا ہے۔ افادیت کی غرض سے ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ جلد ۶۷ شمارہ ۲ بابت شوال ۱۴۱۹ھ فروری ۱۹۹۹ء میں بھی شائع ہوا ہے۔ یہاں بھی اس تعارف کو اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو اب تک مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی معلومات نہیں ہے ان کو اس ذریعہ سے علم ہو جائے۔ (محب الحق)

حاضری کے وقت مولانا نے اپنی اس آرزو کا اظہار فرمایا تھا کہ کسی طرح اس کتاب کے دو آخری مقالے مل جاتے۔ حسن اتفاق سے مجھے ''ازالۃ الغین'' کے یہ آخری مقالے مل گئے اور میں نے چاند پور جا کر مولانا کی خدمت میں پیش کیے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اس وقت ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اُٹھ کر بیٹھ جاتے یا لیٹے لیٹے مطالعہ کر سکتے، کتاب لے کر اپنے سینہ پر رکھ لی اور اپنے صاحبزادے مولانا محمد احسن صاحب مرحوم کو حکم دیا کہ اس کتاب کو کتب خانہ میں داخل کر دیں۔

اس بار مجھے مکتوبات شاہ ولی اللہؒ ہی کے مطالعہ کرنے کا شوق تھا۔ دوسری کتابوں کا سرسری جائزہ لیا اور مکتوبات ہی پر زیادہ توجہ صرف کی۔ سب سے پہلے میں نے اس مخطوطے کے اکثر مقامات کو بغور پڑھا اور اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا۔ پھر ایک کاپی پر پینسل سے ان ۲۵ مکتوبات کو نقل کر لیا جو ''نواب نجیب الدولہ'' (متوفی ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۰ء) وغیرہ امراء کے نام تھے۔ ایک طویل مکتوب کسی بادشاہ کے نام تھا، اس کو بھی نقل کیا۔ پھر جن مکتوبات میں اس زمانہ کی سیاسی معرکہ آرائیوں کا ذکر تھا، ان میں سے بیشتر کو نقل کر لیا۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، اس بار دو تین دن مولانا مرحوم کا مہمان رہا، مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد احسن مرحوم نے اپنی نوازشوں سے بہت ممنون و متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا اور ان کے صاحبزادے کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی سلمہ نے ان ۲۵ مکتوبات کو ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات'' کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء میں بہت ذوق وشوق اور اہتمام سے چھپوایا۔ اس مجموعے میں اردو ترجمہ احقر کا کیا ہوا ہے اور مقدمہ وحواشی میاں خلیق احمد نظامی سلمہ نے اپنی محنت وکاوش سے لکھے ہیں۔ ان سیاسی مکتوبات کا دوسرا ایڈیشن ادارہ ''ندوۃ المصنفین'' دہلی نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔ نئے ایڈیشن میں ۱۷ تاریخی وسیاسی مکتوبات اور شامل کیے گئے۔ نیز مقدمہ وحواشی اور ضروری تشریحات میں بھی گرانقدر اضافہ ہوا، چند خطوط کے عکس شائع

کیے گئے ہیں۔ پہلے ایڈیشن میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ اصل کتاب کہاں ہے، اس وجہ سے ہندوستان کے بعض اہل علم کو شبہ ہوا کہ شاید یہ خطوط حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نہ ہوں، اگرچہ بہت سے اکابر مثلاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، ان مکتوبات کے اصلی ہونے کی تصدیق فرما چکے تھے اور ان حضرات اکابر نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اصلی مکتوبات ہونے کی حیثیت سے ہی اس مطبوعہ کتاب کو چشم عقیدت سے دیکھا تھا۔

اب سیاسی مکتوبات کے دوسرے ایڈیشن (۱۹۶۹ء) میں یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ ان مکتوبات کی نقل کتب خانہ چاند پور کے مذکورہ نسخے سے حاصل ہوئی تھی۔ میں حضرت چاند پوریؒ کے دوسرے صاحبزادے مولانا حکیم محمد انور مرحوم کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ انھوں نے مجھے یہ کتاب نقل کرنے کے لیے عنایت فرمائی اور میری سہولت کے پیش نظر اجازت دی کہ ''امروہہ'' لے جا کر اس کو نقل کرلوں۔ جب میں نے ''امروہہ'' میں پوری کتاب اپنے قلم سے نقل کر لی تو میاں خلیق احمد نظامی سلمہ نے دوسرے ایڈیشن کے لیے اس میں سے ۱۷ سیاسی خطوط اور لے لیے۔ بقیہ خطوط کے لیے بھی ان کا ارادہ تھا کہ شائع کرادیں گے، مگر اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ ان کو شائع کرانے سے قاصر رہے۔ اس لیے بقیہ خطوط کی نقل میرے پاس ہی محفوظ رکھی رہی۔

ان مکتوبات کا متن نقل کرتے ہوئے میں نے یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھی تھی کہ بالکل صحیح نقل ہو جائے کیونکہ بعض مقامات ایسے تھے جو خود اصل کتاب کے اندر کچھ کے کچھ لکھے گئے تھے۔ میں نے حتی الامکان الفاظ وعبارت پر پورا پورا دھیان دے کر ان کی تصحیح بھی کردی۔ یہ نسخہ شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تو نہیں، مگر میرا خیال ہے کہ ان کے نسخے سے براہِ راست نقل ہوا ہے[1]۔ کاتب نے آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی تحریر میں

[1] مکتوبات کے قلمی نسخہ چاند پور کا کاتب کون ہے، یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔ عزیزم مولوی نورالحسن راشد کاندھلوی نے یہ قلمی نسخہ دیوبند میں دیکھا ہے اور وہ لکھتے ہیں: ''حضرت شاہ محمد عاشقؒ کی متعدد تحریرات...... مسلسل

بھی بہت سے مقامات پر غلطیاں کی ہیں اور فارسی اشعار اور خود شاہ صاحبؒ کی عبارتوں میں ایسا تصرف کیا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ اکثر و بیشتر غلطیاں غور و فکر اور تلاش و تفحص کے بعد، نیز دیوان جامی، دیوان حافظ، نفحات الانس، رباعیات ابوسعید ابوالخیر وغیرہ کے مطالع اور فارسی و عربی لغات کی مدد سے دور کر دی گئی ہیں۔

چونکہ اس نسخۂ چاند پور کے سوا ان مکتوبات کے کسی دوسرے مکمل نسخے کا وجود ہندوستان، پاکستان یا بیرونِ ہند میں کہیں بھی ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ اس لیے اگر کچھ غلطیاں باقی رہ گئی ہوں تو ان کو ذی علم ناظرین میں سے کسی کا فہم ثاقب درست کر دے گا۔ یا اگر کبھی کوئی دوسرا قلمی نسخہ برآمد ہوا اور وہ صحیح بھی ہوا تو اس کی مدد سے ان خطوط کے متن کی حتمی صحت ہو سکے گی۔

اس ''نسخہ چاند پور'' کے اندر[1] بہت سے مکتوبات نہیں تھے، جب میں نے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی لائبریری میں محفوظ قلمی نسخے کا عکس انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز (ہمدرد نگر) نئی دہلی کے توسط سے حاصل کیا تو اس میں اس مجموعے کے بعض خطوط بھی پائے گئے اور کچھ مکتوبات وہ ملے جو اس خطی نسخے میں شامل نہیں تھے۔

۱۹۴۷ء سے قبل جب میں نے پہلی بار نسخہ چاند پور کو دیکھا تھا تو وہ بہت اچھی حالت میں تھا۔ پھر ۱۷-۱۸ سال کے بعد اس کو دیکھا تو اس کے کاغذ میں شکستگی اور کرم خوردگی کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ اب یہ قلمی نسخہ مولانا چاند پوریؒ کے ذخیرہ کی دوسری کتابوں

مسلسل.... دیکھنے کے بعد میری ناچیز رائے ہے کہ یہ دونوں حصے خود شاہ محمد عاشق کے قلم کی یادگار ہیں۔'' (مکتوب بنام مرتب مؤرخہ ۲۴ راگست ۱۹۸۷ء) لیکن اس کے متن میں نقل واملا کی بعض ایسی غلطیاں ہیں جن کا شاہ محمد عاشق کے قلم سے سرزد ہونا بعید ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ مخطوطہ شاہ محمد عاشق کے نسخے سے نقل ہوا ہوگا۔

[1] کسی غلط فہمی کی وجہ سے کتب خانہ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) کی فہرست مخطوطات میں اس کا اندراج ''مکتوبات شاہ عبدالرحیم دہلوی'' کے نام سے کر دیا گیا تھا۔ اس لیے ان خطوط کی جانب کسی نے التفات نہیں کیا یہ بھی نسخہ چاند پور کے حصہ دوم مرتبہ شاہ محمد عاشق کی توسیع ہے یا اسی کا حصہ ہے جو کسی وقت علیحدہ ہو گیا۔ ہم نے جلد اول میں نسخہ چاند پور کے دونوں حصے شامل کر لیے ہیں اور جلد دوم نسخہ جامعہ عثمانیہ کے مکتوبات پر مشتمل ہے۔ (فریدی)

کے ساتھ کتب خانہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں پہنچ گیا ہے۔ وہاں کی فہرست مخطوطات میں اس کا اندراج اس طرح ہے:

مکتوبات شاہ ولی اللہ جلد ثانی (قلمی):

فہرست کتب حضرت چاند پوریؒ جلد اول صفحہ ۴۵ نمبر ۴۳ ''فن تصوف''۔

اس مجموعے کے دو حصے ہیں، ایک وہ جس میں شاہ عبدالرحمٰن بن شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے جمع کردہ مکتوبات ہیں۔ ان کی وفات ۱۱۶۸ھ میں ہوگئی تو شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے بعد کے مکتوبات کو خود جمع کیا اور وہ جلد ثانی کہلائی۔ نسخہ خطیہ میں جلد ثانی پہلے ہے اور جلد اول بعد کو جلد ثانی کے ۱۰۶ مکتوبات اس مجموعے میں موجود نہیں ہیں، مکتوب ۱۰۷ بھی نصف کے قریب ہے۔ اگلے مکتوب کے سرنامہ سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ آدھا خط جس کا سرنامہ غائب ہے مخدوم محمد معین ٹھٹھویؒ کے نام ہے۔ اگر نصف خط کو ایک مانا جائے تو پہلی جلد میں مکتوب ۱۰۷ سے ۱۷۷ تک ستر مکتوبات ہیں۔ دوسری جلد میں مکتوبات کی تعداد ۲۸۰ ہے، ایک مکتوب پر کوئی نمبر نہیں ہے۔ اس خطی نسخے میں جلد اول کے ابتدائی ۱۰۵ مکتوبات نہیں ہیں۔ (ان میں سے کچھ خطوط نسخہ جامعہ عثمانیہ میں موجود ہیں)۔ ایک خط پر نمبر نہیں، ایک تحریر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فرزند اکبر شیخ محمد کے نام رسم الخط سے متعلق ہے۔ اس تحریر پر بھی کوئی نمبر نہ تھا، ہم نے اس پر نمبر ڈال دیا ہے، مگر اس کا ترجمہ نہیں کیا۔

نمبر ۲۸۱ تک مکتوبات نقل کر کے پہلا حصہ ختم کر دیا گیا۔ مکتوب ۲۸۲ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تعزیتی خط ہے جو انھوں نے اس مجموعے کے مرتب شاہ عبدالرحمٰن پھلتیؒ کی وفات کی خبر سن کر شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کو لکھا تھا۔ اس مکتوب کے بعد تمام خطوط وہ ہیں جو شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے جمع کئے تھے۔ یہ مکتوبات کا دوسرا حصہ ہے۔ ان دونوں حصوں میں سے ۴۲ منتخب خطوط ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات'' (مرتبہ خلیق احمد نظامی دہلی ۱۹۶۹ء) میں درج ہو گئے ہیں، باقی سب خطوط زیرِ نظر مجموعے میں موجود ہیں۔

سب سے آخر میں ایک خط ''شاہزادہ والا گہر'' کے نام ہے۔ یہ دراصل حصہ اول کا مکتوب ہے مگر ہم نے اس کو آخر میں درج کیا ہے۔ ان سب مکتوبات کا اردو زبان میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ ان مکتوبات میں جو اہم معلومات پائی جاتی ہیں ان کو تفصیل سے مقدمۂ ترجمہ مکتوبات میں لکھا جائے گا۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ان مکتوبات سے عام ناظرین کو اور تاریخ و تذکرہ کے طلباء کو بہت سی وہ اہم اور مستند باتیں معلوم ہوں گی جو شاہ صاحبؒ کی سوانح عمری یا کسی تذکرہ میں بلکہ خود ان کی تصانیف و تالیفات میں بھی موجود نہیں۔

حضرت مولانا مرتضٰی حسن چاند پوریؒ: آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرتضٰی حسن چاند پوریؒ کے بھی کچھ حالات لکھے جائیں جن کے کتب خانہ سے یہ نادر قلمی کتاب مطالعہ اور نقل کے لیے حاصل ہوئی۔

مولانا سید مرتضٰی حسن چاند پوریؒ حکیم سید بنیاد علی چاند پوری کے صاحبزادے تھے۔ وہ شاہ محمد عارفؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے دو بھائی اور بھی تھے۔ بڑے سید مجتبٰی حسن اور سب سے چھوٹے سید تجمل حسین تھے۔ مولانا چاند پوریؒ نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (متوفی ۲؍ربیع الاول ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۱؍دسمبر ۱۸۸۴ء) حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ، ملا محمودؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (متوفی ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/۳۰؍نومبر ۱۹۲۰ء) آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں اس وقت دیوبند پہنچے تھے جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (متوفی ۴؍جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ/ ۱۵؍اپریل ۱۸۸۰ء) کی وفات کو چند روز ہی گزرے تھے۔ آپ نے کتب درسیہ کے علاوہ طب بھی دیوبند میں پڑھی۔ منطق و فلسفہ کا درس حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ (متوفی ۱۳۲۲ھ/ ۱۸؍اپریل ۱۹۰۴ء) سے بھی لیا تھا۔ پہلے آپ اس وقت کے مہتمم مدرسہ شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ (متوفی ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) (خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدینہ متوفی ۶؍محرم

۱۲۹۶ھ/ ۳۱ر دسمبر ۱۸۷۸ء) سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے تھے۔ بعد کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت بھی حاصل کی۔

مولانا چاند پوریؒ کے دو فرزند مولانا محمد احسن اور مولانا حکیم محمد انور ہوئے۔ اب ان دونوں کا انتقال ہو چکا ہے، ان دونوں صاحبزادوں نے اس مجموعے کے مطالع اور نقل کرنے کے سلسلے میں مجھے بہت سی آسانیاں بہم پہنچائی تھیں۔

مولانا چاند پوریؒ نے یکم ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ (مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۱ء بروز دوشنبہ) چاند پور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

امروہہ ۱۷ر شوال ۱۳۹۷ھ/ یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء

مقالہ[۱] (۱۴)

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے تبرکات

امروہہ، اتر پردیش کے ضلع مراد آباد میں ایک مشہور و معروف اور قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ ابن بطوطہ نے سفرنامہ میں اپنے امروہہ آنے کا ذکر کیا ہے۔ اس قصبہ کی بہت سی تاریخیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں اور یہاں ہر فن کے اہل کمال پیدا ہوئے ہیں۔ یہاں کے مشائخ، علماء، اطباء اور شعراء نے ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر بھی بہت شہرت حاصل کی ہے۔

یہاں پر سہروردی، قادری، چشتی اور نقشبندی سلسلوں کے بزرگانِ طریقت کے مزارات بھی ہیں اور ان کی بعض قدیم خانقاہوں کے کچھ آثار ابھی تک باقی ہیں۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر اجودھنی پاک پٹنیؒ کی اولاد بھی اس قصبہ میں پرانے زمانہ سے آباد ہے اور ایک محلہ میں خاص طور پر انھیں کی اولاد رہتی ہے جس کا نام پہلے ''محلہ شیخ زادگان'' تھا اور اب اسی کو ''محلہ جھنڈا شہید'' کہا جاتا ہے۔

کتاب ''جواہر فریدی'' میں جو عہد جہانگیری کی تالیف ہے، اصغر علی چشتی نے لکھا ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد اور مقامات کے علاوہ، امروہہ اور رجب پور میں بھی آباد ہے۔ اور خاص طور پر حاجی شیخ عبدالغفور امروہیؒ کے فرزند شیخ معمورؒ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت بابا فریدؒ کا اودھ کے بعض مقامات مثلاً ''بالامؤ'' ''ردولی'' وغیرہ تشریف لے جانا بھی بعض معتبر اور قدیم تذکروں سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت بابا فریدؒ کے ایک صاحبزادے خواجہ محمد یعقوبؒ بھی تھے جن کے بارے میں سید محمد مبارک کرمانی مؤلف ''سیر الاولیاء'' نے لکھا ہے کہ جب وہ اودھ سے اپنے وطن کی طرف واپس ہو رہے تھے تو

---

[۱] یہ مقالہ ماہنامہ ''منادی'' نئی دہلی جلد ۵۳، شمارہ ۱، ۲، ۳، ۱۹۷۸ء سے لیا گیا ہے۔ (محب الحق)

راستہ میں امروہہ کے قریب ''مردانِ غیب'' نے ان کو اُچک لیا تھا۔

''اخبارالاخیار'' میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی خواجہ محمد یعقوبؒ کے تذکرہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے۔ بابا صاحبؒ کی کچھ اولاد دہلی کے محلّہ ''عرب سرائے'' میں بھی آباد ہو گئی تھی۔ ان میں سے بعض کا ذکر ''سیر اولیاء'' میں بھی ملتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ میں بعض کے مزارات بھی ہیں۔ کچھ موجود ہیں اور کچھ کے آثار مٹ گئے ہیں۔ یہیں سے بعض حضرات محمد بن تغلق کے زمانہ میں دولت آباد کو بھی منتقل ہو گئے تھے۔

حضرت بابا فریدؒ کے ایک صاحبزادے شیخ نظام الدینؒ شہید رنتھم بوری[1] تھے۔ جن کے بارے میں سب قدیم تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ بابا صاحبؒ انھیں بہت چاہتے تھے اور یہ ان کے مزاج میں خاصا دخل رکھتے تھے۔ ان کے پوتے شیخ سالارؒ کو سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں نواح امروہہ میں جاگیر دی گئی تھی۔ جیسا کہ تذکرۃ الکرام یعنی تاریخ امروہہ مؤلفہ محمود احمد عباسی میں بھی لکھا ہوا ہے۔

شیخ سالارؒ کے پوتے حضرت خواجہ بہاء الدینؒ اور ان کے صاحبزادے خواجہ ضیاء الدینؒ اور ان کے صاحبزادے حاجی نورالدین محمد موسیٰؒ تھے۔ ان تینوں بزرگوں کے مزارات رجب پور میں اب تک موجود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود شیخ سالارؒ نے یا ان کی اولاد میں سے کسی نے رجب پور میں مستقل سکونت اختیار کی ہوگی۔ رجب پور امروہہ سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

حاجی محمد موسیٰ کے تین صاحبزادے شیخ طاہر، شیخ منور اور شیخ لہرہ تھے۔ عہد تغلق میں بابا صاحبؒ کی اولاد کو جو رجب پور میں تھی چوبیس گاؤں مدد معاش میں عطا ہوئے تھے۔ عہد اورنگزیب میں ان چوبیس مواضعات کی تقسیم حاجی محمد موسیٰ کے تینوں صاحبزادوں کی اولاد میں ہوئی اور ہر فریق کے حصے میں آٹھ آٹھ گاؤں آئے تھے۔ حاجی محمد موسیٰ کے

۱۔ رنتھمبور کا نام اب ''سوائی مادھو پور'' ہو گیا ہے۔ (محب الحق)

صاحبزادے شیخ منورؒ جو اپنے عہد کے شیخ المشائخ تھے بہلول لودھی کے زمانہ میں رجب پور سے آ کر امروہہ میں آباد ہوئے۔ عہد سکندر شاہ لودھی میں ان کو امروہہ اور کالپی کے علاقوں میں جاگیر ملی تھی۔

شیخ منورؒ کے ایک صاحبزادے شیخ محمد عیسیٰ چاپلدہؒ[1] تھے یہ بھی اپنے زمانہ کے شیخ طریقت اور اپنے آباء کے جانشین و سجادہ نشین تھے۔ آپ کا سلسلہ بیعت اپنے باپ دادا سے تھا اور آپ کے پاس وہ قدیم تبرکات بھی محفوظ تھے جنھیں سب سے پہلے شیخ سالارؒ اپنے ساتھ امروہہ لائے تھے۔ ان تبرکات کو حضرت بابا فریدؒ اور ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلویؒ سے نسبت کا شرف حاصل ہے۔ یہ تبرکات پہلے ایک پرانی وضع کے لکڑی کے پٹارے میں رکھے ہوئے تھے جسے دیکھ کر خود اندازہ ہوتا تھا کہ یہ پٹارہ پانچ چھ سو سال پرانا ہوگا پھر زیادہ بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے ان تبرکات کو تہہ بہ تہہ کر کے کپڑے میں اس طرح سلوا دیا گیا ہے کہ ان کا صرف تھوڑا سا حصہ دیکھا جا سکتا ہے اور باقی حصہ تین طرف سے کپڑے میں لپیٹ دیا گیا ہے۔ محلّہ جھنڈا شہید پر ایک مکان جس کی کوٹھری میں یہ تبرکات تقریباً پانچ سو سال تک رکھے رہے ہیں اب وہ سب مکانات منہدم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ نئی نئی تعمیریں ہو گئی ہیں مگر اس پرانی کوٹھری کا کھنڈر ابھی تک باقی ہے لیکن اس کی یہ نمود بھی چند روز کی مہمان ہے۔

یہ سب تبرکات بعد کے سجادہ نشینوں اور جانشینوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر سال یکم شوال کو عید کی نماز کے بعد ان تبرکات کی زیارت محلّہ جھنڈا شہید کی مسجد میں ہوتی چلی آئی ہے۔ آج کل جمال احمد فریدی نظامی[2] ہر سال نمازِ عید کے بعد لوگوں کو ان تبرکات کی زیارت کراتے ہیں۔

---

[1] آپ کا مزار مسجد شیخ چاند محلّہ ملانہ امروہہ میں واقع ہے۔ [2] جمال احمد صاحب نظامی مرحوم حضرت مولانا فریدیؒ کے رشتہ کے بھتیجے تھے۔ ان کا ۱۹۸۶ء میں انتقال ہوا۔ ان کے بعد یہ تبرکات عبدالشکور صاحب اور اب محمد یامین کی تحویل میں ہیں۔ (محب الحق)

یہاں یہ بات بتانی ضروری ہے کہ ان تبرکات میں جو بزرگوں کے جبّے اور پیراہن ہیں ان کے اندر خاص طور پر قدامت اور کہنگی کے نمایاں آثار پائے جاتے ہیں۔ کپڑوں کی خستگی اور بوسیدگی سے ہر ماہر آثار قدیمہ کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ اسی زمانہ کی اشیاء ہیں جس کی بتائی جاتی ہیں۔ روایت قدیمہ اور شہرت بلدی کا تواتر بھی اس بات کا یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ یہ فی الحقیقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور ان کے بعد کے بزرگانِ چشت کے پیراہن ہیں اور دیگر اشیاء بھی انہیں بزرگوں سے نسبت رکھتی ہیں۔

بہرحال جس طرح امروہہ اور رجب پور میں اولاد بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا آباد ہونا تاریخی شواہد کے علاوہ شہرت بلدی کے تواتر سے ثابت ہے اسی طرح یہ تبرکات بھی قدیم اور متواتر روایات کے پیش نظر قابل وثوق اور یقینی طور پر مستند ہیں۔

ان تبرکات کی تفصیل یہ ہے: ایک کلاہ (ٹوپی) اور ایک پیراہن (کرتا) ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت بابا فریدؒ کو عطا فرمایا تھا۔ ایک گدڑی ہے جو خاص حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی ہے۔ تسبیحیں متعدد ہیں ان میں کچھ وہ ہیں جو حضرت بابا فریدؒ کو حضرت قطب صاحبؒ سے ملی ہوں گی۔ بعض ان کی اپنی اور ان کے اخلاف کی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے پیرانِ چشت کی پگڑیاں اور شیخ محمد عیسیٰ جائلدہ کی ایک کلاہ اور پیراہن بھی ہے۔

۱۹۷۵ء میں اہل پنجاب نے عموماً اور سکھوں نے خصوصاً حضرت بابا فریدؒ کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت ہندوستان کے مختلف شہروں میں بڑی دھوم سے منایا تھا۔ اس موقع پر پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں بابا فرید میموریل سوسائٹی بھی قائم کی گئی۔ اس سوسائٹی کے اہتمام سے ۵۔۶ر ستمبر ۱۹۷۵ء کو محلہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) امروہہ میں بھی ایک عظیم الشان کل ہند سیمینار منعقد ہوا جس میں حضرت بابا فریدؒ کے حالات و ملفوظات پر اور آپ کی حیات مبارک کے مختلف گوشوں پر عالمانہ مقالات پڑھے گئے اور تقریریں بھی ہوئیں۔ خواجہ حسن

ثانی نظامی دہلوی اس سیمینار کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے اور ہندوستان کے مشہور اہل قلم ادیب اور یونیورسٹی کے پروفیسر اس میں شریک تھے۔ دہلی یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی، گرونانک یونیورسٹی، پنجابی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ، گورنمنٹ کالج فرید کوٹ اور دہلی کالج کے متعدد اساتذہ تشریف لائے تھے۔

اس موقع پر حضرت بابا فریدؒ کے ان تبرکات کی عام زیارت بھی کرائی گئی تھی۔ ان تبرکات میں حضرت بابا فریدؒ کی ایک کنگھی بھی محفوظ ہے جسے دیکھ کر پنجاب کے بعض حضرات نے بتایا تھا کہ ملتان کے علاقہ میں آج بھی اس وضع کی کنگھیاں دیہات وقصبات کے لوگ بناتے ہیں۔ سیمینار کے اس پروگرام کو آل انڈیا ریڈیو کے علاوہ دہلی اور امرتسر کے ٹیلی ویژن نے بھی ریکارڈ کیا تھا۔

ان میں اکثر تبرکات چونکہ حضرت بابا صاحبؒ کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب صاحبؒ سے ملے تھے اس لیے ان کی ملکیت اور نسبت کی وجہ سے یہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا جبہ شریف کہلاتے ہیں۔

ان تبرکات کے مستند ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ گذشتہ ۶۔۷ سو سال سے ایک ہی خاندان میں محفوظ رکھنے کے باوجود نہ کبھی انھیں عام شہرت دی گئی ہے نہ ان کے ذریعہ سے کوئی منفعت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد نے ان سب تبرکات کو ایک نہایت عزیز، قیمتی اور مقدس سرمایہ سمجھ کر محفوظ رکھا ہے اور صرف نماز عید کے بعد ان تبرکات کی زیارت ان حضرات کو نصیب ہوتی ہے جو حصول برکت و سعادت کی نیت سے خود ہی وہاں حاضر ہو جاتے ہیں۔

مقالہ (۱۴)

ماسٹر عبدالرؤف رؔؤف امروہوی

گرامی قدر! ماسٹر عبدالرؤف صاحب رؔؤف امروہوی امروہہ کے ان اُدباء میں سے ہیں جن کو باہر کی دنیا میں کچھ زیادہ شہرت ابھی حاصل نہیں ہوئی لیکن ان کا عنبرین کلام مستقبل میں ان کی پائیدار شہرت کا ضامن ہے۔ اب تو ماسٹر صاحب کا کلام براہِ راست سننے کا موقع کم ملتا ہے لیکن اب سے تقریباً پچیس سال پہلے کی بات ہے میں نے صوفی نوراللہ عیشؔ صدیقی مرحوم، مولانا سید حبیب احمد اُفقؔ کاظمی مدظلہ کے متواتر جلسہ ہائے شعرو سخن اور شہر کے چند معرکۃ الآراء مشاعروں میں بارہا کلام رؔؤف بزبان رؔؤف سننے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس دور میں چند مشاعرے میں نے بھی اپنے اہتمام سے منعقد کئے تھے۔ ان میں سے ایک مشاعرہ میں ماسٹر صاحب نے مصرعہ طرح پر جو نعت زیب قرطاس فرمائی اس کا مشہور مطلع یہ ہے

وہ سر پاؤں جو خاکِ کوچۂ دلدار ہو جائے ☆ ملے وہ آنکھ جو محو جمالِ یار ہو جائے

ایک دوسرے مشاعرے میں جو احقر کے مکان پر ہوا تھا ماسٹر صاحب نے جو نعت پڑھی اس کا ایک شعر تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر کے زبانِ زدِ خاص وعام ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے

صدیقِ یارِ غار کی قسمت تو دیکھئے ☆ پہلو میں آج تک ہیں پیمبر لیے ہوئے

اب مشاعروں میں ماسٹر صاحب نے پڑھنا تو کیا شرکت کرنا بھی موقوف کر دیا ہے۔ اس کی وجہ ایک تو ان کا ضعف بصر ہے دوسرے مشاعرے میں رات گئے تک جاگنا ان کی موجودہ صحت وعمر کے لیے ہجوم مشاغل کے ہوتے ہوئے مضر ہے۔ علاوہ ازیں وہ دورِ حال کے طوفان انگیز اور شورش خیز مشاعروں سے بھی گھبرا گئے ہیں۔ رات رات بھر

مشاعرے ہوتے ہیں اور زیادہ تر بے تکے پن سے تہذیب وشائستگی کے ساتھ مصرعہ طرح کا رواج بھی اُٹھ گیا ہے۔ کسی نے تمام عمر میں ایک اچھی غزل کہہ لی یا کہلوالی ہے اور اسی کو ہر بزم سخن میں ترنم ریز لہجے سے پڑھ کر آماجگاہِ داد و تحسین بنائے ہوئے ہے۔ سعادت و مصحفی کے وطن میں وہ مشاعرے کبھی برسوں میں سننے کو مل جاتے ہیں جن میں دیرینہ روایات اور اس مردم خیز سرزمین کی خصوصیات موجود ہوں۔ غیر طرحی مشاعرے کر کے نہ تو اُردو ادب میں کوئی بہترین اضافہ کیا جارہا ہے اور نہ مبتدیوں کو ان کی تربیت کر کے اعلیٰ درجہ کا شاعر و ادیب بننے کا موقع دیا جارہا ہے۔

ماسٹر صاحب کا کلام علم وادب کی محفلوں میں کچھ عرصہ سے ان کے نوعمر صاحبزادے ساجد میاں[1] سلمہ، پڑھتے ہیں اور ماشاء اللہ خوب پڑھتے ہیں۔ بزم نعت اور محفل ادب سن کر جھوم جھوم جاتی ہے۔

میں نے ماسٹر صاحب کو زیادہ تر تحت اللفظ پڑھتے سنا ہے۔ پڑھنے میں ان کی زبان سے پھول جھڑتے ہیں۔ عجیب دلکش طرز سے پڑھتے ہیں۔ شیریں کلامی کے ساتھ شیریں زبانی بھی مل جاتی ہے تو قند مکرر کا مزہ آجاتا ہے پھر زبان کی سلاست، بیان کی ندرت، مضمون کی نزاکت اور تخیل کی شوکت کا کیا کہنا۔ ان کی قادرالکلامی اور فصاحت آفرینی میں کیا شک ہے۔ برسوں غزل گوئی کے میدان میں تگ وتاز کرنے کے بعد نظم نعت و منقبت میں یہ چاشنی اور یہ دلکشی پیدا ہوتی ہے جو ماسٹر صاحب کے کلام کو نصیب ہے۔ ماسٹر صاحب کا کلام ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا پورا پورا مصداق ہے۔ ان کے کلام میں سچے جذبات ملیں گے، عشق صادق ملے گا اور عقیدت کی فراوانیاں ملیں گی۔ ربع صدی پہلے والے مشاعروں میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ جس وقت ماسٹر صاحب کے پڑھنے کا وقت آیا

[1] ماسٹر ساجد حسین ساجد امروہوی صاحب دواوین شاعر ہیں۔ آئی۔ایم۔انٹر کالج سے ریٹائر ہو چکے ہیں اور حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں۔ آپ کے کلام کے مجموعے رازِ بخشش، آرزوئے بخشش، گوہر بخشش اور دسترس شائع ہو چکے ہیں۔ (محب الحق)

حاضرین پر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سامعین ہمہ تن گوش اور مجسم اشتیاق بن جاتے تھے۔ مجمع کا سب سے پہلے خیال یہی ہوتا تھا کہ ماسٹر صاحب کی غزل اپنے رنگ میں کامیاب رہے گی اور یہ خیال ہمیشہ صحیح نکلتا تھا۔ کیسی ہی زمین کیوں نہ ہو ماسٹر صاحب کو اس میں سے ''لالہ وگل'' ضرور نکالنے، یہی وجہ تھی کہ اگر چہ ماسٹر صاحب قریب قریب سب سے آخر میں پڑھتے تھے لیکن ان کے کلام کا شوق مجمع کو کم نہیں ہونے دیتا تھا۔

ماسٹر صاحب کو نعت گوئی سے طبعی مناسبت ہے۔ وہ دریا عقیدت میں غرق ہو کر نعت شریف کے دُرِ شاہوار بر آمد کرتے ہیں۔ وہ مدینہ منورہ ابھی تک حاضر نہیں ہو سکے ہیں اور ان کو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمانِ ظاہری سے نظارہ کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی ہے لیکن زائر حرم حمید لکھنوی کی طرح ان کے یہاں بھی منظر کشی اور محاکات کے نمونے ملتے ہیں۔ زائرین کا دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر در و دیوار کو مڑ مڑ کر دیکھنا اور حسرت بھری اشک آلود نگاہوں سے الوداع کہنا اور بار بار یہ خیال آنا کہ اللہ جانے پھر دوبارہ اس حرم مقدس اور روضۂ پاک کی زیارت نصیب ہوگی یا نہیں۔ ان باتوں کو وہی خوب جانتے ہیں جو اپنی خوش قسمتی سے وہاں حاضر ہو چکے ہیں اور واپس ہوتے ہوئے ان کے دل کے ہر گوشے سے یہ صدا نکلی ہے ع ''ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرفاں رفتم''

حاجیوں سے سنا ہے اور سفر ناموں میں پڑھا ہے کہ زائرین پر واپسی کے وقت عجیب عالم گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ چیخیں مار مار کر روتے ہیں اور اس مقدس سرزمین کے ایک ایک ذرہ کو اپنے دل و نگاہ کے گوشوں میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔ دیکھئے ان جذبات کی کس خوبی کے ساتھ ماسٹر صاحب نے تسلی آمیز ترجمانی کی ہے اور کتنی خوبصورت تصویر اُتاری ہے۔

تجھے اللہ پھر اس سرزمینِ پاک پر لائے ☆ مدینہ کے در و دیوار مڑ کر دیکھنے والے
کھنچ کھنچ کے حاجیوں کا مدینہ سے لوٹنا ☆ پھر پھر کے دیکھنا در و دیوار کی طرف

دیارِ پُر انوار کی تمنائے زیارت کس مرد مومن کو نہیں ہوتی پھر ماسٹر رؤف صاحب کا

حساس دل جس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجیں مار رہا ہے وہ دل جس کی کھٹک سے دوسرے دل بے خود ہو جاتے ہیں اور سر مستی عشق میں مبتلا ہو کر کوئے حبیب کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ مگر وہ باوجود ارمان وتمنا کے اب تک گنبد خضریٰ کا منظر نہیں دیکھ سکے ہیں۔ زیارت حرم نبویؐ کی تڑپ نے ان کے کلام کو ایک خاص سوز و گداز عطا کیا ہے۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ یہ درد مہجوری موجود ہے جو ان کے اندرونی جذبات کو آشکارہ کر رہا ہے۔ کیا تعجب ہے کسی اہل دل کی دعا ان کے کلام کو پڑھ کر ان کے حق میں کامیاب ہو جائے اور وہ آستانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر وہ دولت سعادت حاصل کر لیں جس کے مقابلہ میں کائنات کی تمام کامیابیاں ہیچ ہیں۔ دیکھئے وہ ایک جگہ فرماتے ہیں

درِ رسول ہی دیکھا نہ خانۂ کعبہ ☆ رؤفؔ کچھ نہ مزے تم نے اس جہاں کے لیے

ایک موقع پر بڑے عجیب پیرایے میں اپنی حاضری کی درخواست پیش کرتے ہیں ذرا اس کی کیف آوری تو ملاحظہ کیجئے:

یہ سوچ کر ہی مدینے مجھے بلا لیتے ☆ کہ خار کی بھی ضرورت ہے گلستاں کے لیے

ایک شعر میں تو اپنی ظاہری ''محرومی و مہجوری'' کا تذکرہ اس درد کے ساتھ کیا ہے کہ سننے والا کا دل ہل جائے، سنئے

جو نہ گئے کبھی رؤف ہم ہی وہ بدنصیب ہیں ☆ ورنہ نبی کا آستاں مرجع خاص و عام ہے

اشتیاق زیارت دیارِ حبیب کے سلسلہ میں چند شعر اور سن لیجئے:

پائے بوسی کی کیوں ہوس نہ کرے ☆ کیا رؤفؔ آپ کا غلام نہیں؟

جالیوں کو تھام کر کچھ ہم بھی کرتے عرض حال ☆ ہم بھی اپنا بخت اک دن آزما کر دیکھتے

کچھ ایسے آرہی ہے یادِ طیبہ ☆ کہ دل پہلو سے نکلا جا رہا ہے

حسرتِ دید کی خیر یا رب ☆ دیکھ لیں میری آنکھیں مدینہ

مدینہ کے گلی کوچے نبی کا روضۂ اقدس ☆ دکھا مجھ کو بھی اے سب کو برابر دیکھنے والے

ماسٹر صاحب کے مکان پر ہر ہفتہ بعد نمازِ جمعہ ایک مجلس نعت خوانی ہوتی ہے۔ مدتوں سے یہ سلسلہ قائم ہے اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس مجلس کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس مجلس میں ماسٹر صاحب کے نعتیہ کلام کے علاوہ دوسرے نعت گو شعراء کا کلام بھی پڑھا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ جلسہ نعت خوانی بھی بڑا سبب ہے ماسٹر صاحب کے نعتیہ کلام کے اضافے کا۔ خدا کرے یہ بزم نعت خوانی تا دیر قائم رہے اور ترقی پذیر ہو[1]۔ آمین

ماسٹر صاحب سراپا نعت گو ہیں۔ ان کا ماحول نعت گو ہے۔ ان کا نصب العین نعت ہے اور ان کی گفتگو برکات نعت کی آئینہ دار ہے۔ غرض کہ ان کی زندگی کا ہر گوشہ نعت گوئی کے اثرات سے لبریز ہے۔ اسی نعت گوئی کی وجدانی و سرمدی کیفیات نے ایک مسلسل اور مضبوط روحانی ربط و تعلق کی بنا پر ان سے یہ الہامی شعر کہلوایا ہے

یہیں سے نغمہائے نعت کی لہریں سی اُٹھتی ہیں
رؤف زار کی تربت یہی معلوم ہوتی ہے

ماسٹر صاحب کا ایک نعتیہ مجموعہ کلام "تخلیۂ محامد" شائع ہو چکا ہے اور دوسرا مجازی کلام کا مجموعہ "گلرنگ تخیل" بھی چھپ چکا ہے۔ ان دونوں مجموعوں کا مقدمہ امروہہ کے واجب الاحترام ادیب حضرت[2] اُفق کاظمی نے تحریر فرمایا ہے۔ اب جب کہ بفضل ایزدی تیسرا مجموعہ "کوثرِ رحمت" (جس میں نعتیہ کلام کے بعد کچھ مجازی کلام بھی شامل ہے) زیور طبع سے آراستہ ہونے والا ہے۔ حضرت اُفق مدظلہ امروہہ میں نہیں ہیں وہ کئی سال ہوئے ترک

---

[1] یہ مجلس نعت پوری آب و تاب کے ساتھ آپ کے صاحبزادگان جاری رکھے ہوئے ہیں جس کو تقریباً ۹۰ رسال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ [2] مولانا سید حبیب احمد اُفق کاظمی امروہوی کی ۲۳ رمضان ۱۳۱۰ھ میں ولادت ہوئی۔ حضرت شاہ ضیف اللہ نقشبندی مجددیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت شاہ ضیف اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ عربی، فارسی کے اچھے عالم تھے۔ خطاطی منشی عبدالرحمٰن معجز رقم سے سیکھی۔ اردو کے علاوہ عربی، فارسی ادبیات کا اچھا مطالعہ تھا۔ شعر گوئی کے علاوہ نثر میں بھی کافی عبور تھا۔ امروہہ سے تین ماہنامے "قائد"، "مدرس" اور "شاعر" نکالے۔ شاعری میں غریب سہارنپوری سے تلمذ تھا۔ تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے۔ ۱۸ راگست ۱۹۷۶ء میں ملتان میں وفات ہوئی۔ (محب الحق)

وطن کر کے ملتان تشریف لے جا چکے ہیں۔ اس کے مقدمہ کے لیے جب ان کو لکھا گیا تو انھوں نے ہجوم افکار و امراض کا عذر صحیح پیش فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ بر بنائے حسن ظن یہ خدمت احقر کے سپرد کرنے کا مشورہ دیا۔

ماسٹر صاحب اور اُفق صاحب دونوں میرے بزرگ ہیں۔ ہر چند میری علمی بے بضاعتی مانع رہی لیکن تعمیل حکم کو اپنی سعادت مندی سمجھتے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ کر داخل حسنات ہو گیا۔ مقدمہ تو کیا معمولی تقریظ و تبصرہ کا حق بھی ادا نہ کر سکا مگر بہر حال اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں کہ بزم نعت کے حاشیہ نشینوں میں شامل ہونے کا مجھے بھی موقع مل گیا۔ اب میں ماسٹر صاحب کے کلام میں اپنی تحریر و تقریر کو زیادہ دیر تک حائل رکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ خود ہی ان کا کلام پڑھیے اور عالم وجد و کیف میں ان کو آفرین و مرحبا کہیے۔ ان کے لیے صحت و عافیت اور حصول زیارت ''حرمین شریفین'' کی دعا کیجیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب[1] کرے آمین۔

آخر میں ماسٹر صاحب کے چند اپنے پسندیدہ نعتیہ اشعار پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں۔ یوں تو ماسٹر صاحب کا تمام کلام مجموعہ خوبی اور مرقع حسن ہے۔

گلِ عارض نبی کا جن کی آنکھوں میں سمایا ہو ☆ نظر میں گلشن فردوس ان کی آ نہیں سکتا

فلک ہر روز اک ہنگامۂ محشر بپا کر دے ☆ تمہارا نام لیوا ہوں تو میں گھبرا نہیں سکتا

اسی در کا بھکاری ہے اسی در کا بھکاری ہے ☆ رؤف اس آستانہ سے کہیں اب جا نہیں سکتا

ستارے کہاں آسماں بھی نہ ہوتا مکیں بھی نہ ہوتے مکاں بھی نہ ہوتا

ان آرائشوں کا گماں بھی نہ ہوتا یہ جو کچھ ہے صدقہ ہے سارا تمہارا

---

[1] ماسٹر صاحب مرحوم کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور ۱۹۷۷ء میں ''مکہ اور مدینہ'' کی زیارت سے بہرہ یاب ہوئے اور ۱۶ر دسمبر ۱۹۸۶ء میں وصال ہوا۔ صاحب تبصرہ مولانا فریدی کو بھی ۱۹۶۱ء میں حج کی سعادت حاصل ہوئی اور اپنا سفر نامہ حج ''زیارت حرمین'' کے عنوان سے پانچ اقساط میں ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ میں شائع کرایا۔ اب کتابی صورت میں منصۂ شہود پر یہ سفر نامۂ حج آ رہا ہے۔ (محب الحق)

مومن وہ ہے جو پیش نظر ہر گھڑی رکھے ☆ گفتارِ مصطفیٰ کبھی کردارِ مصطفیٰ

خلق میں ان کی نیابت ہو رہی ہے آج تک ☆ وہ تصرف کر رہا ہے جوشِ فیضانِ رسولؐ

زندگی ہو موت ہو کچھ بھی لیکن اے رؤف ☆ ہاتھ سے تیرے کبھی چھوٹے نہ دامانِ رسولؐ

ذرّہ ہو جس کی مہر سے دم بھر میں آفتاب ☆ ایسے حسین سے دل نہ لگاؤں تو کیا کروں

اُن کے مریضِ ہجر کی گریہی صبح و شام ہے ☆ آج نہیں تو کل ضرور قصۂ غم تمام ہے

جس جگہ ہو نبیؐ کا ذکر جمیل ☆ اس سے بڑھ کوئی مقام نہیں

سہارا امت ناشاد کا تم بن نہیں کوئی ☆ یہ وہ ٹوٹی ہوئی کشتی ہے جس کے ناخدا تم ہو

اس دن سے کوئی پھول نظر میں نہیں آتا ☆ ہے جب سے جگر میں خلش خارِ مدینہ

یہ شادابی کا عالم ہے گلستانِ مدینہ کی ☆ کہ خاروں میں گلوں کی تازگی معلوم ہوتی ہے

کچھ اس صورت سے ہے آلودہ عصیاں میرا دامن ☆ کہ ان کے در پے جاتے شرم سی معلوم ہوتی ہے

سرِ محشر بس اے شانِ کریمی لاج رکھ لینا ☆ نبی ہوں گے میرے عصیاں کا دفتر دیکھنے والے

دماغ و دل معطر ہو رہے ہیں ☆ کہیں سے بو جاناں آرہی ہے

جن کے نبی ہوں منبع جود و سخا جہاں میں ☆ ہائے وہ در بدر پھریں کرتے ہوئے گداگری

مجالِ نطق ہے جب تک میری زباں کے لیے ☆ زباں ہے نعت شہنشاہِ انس و جاں کے لیے

زبانِ حال نے اس طرح داستاں چھیڑی ☆ کہ پہلے اشک بڑھے شرحِ داستاں کے لیے

حضور عرصۂ محشر میں لاج رکھ لینا ☆ کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں وہاں کے لیے

نعت نبیؐ کی برکتیں آپ ملاحظہ کریں ☆ دنگ ہیں لوگ دیکھ کر ان کی رؤف پروری

۱۳؍شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ

مطابق ۱۵؍مارچ ۱۹۵۷ء

مقالہ[1] (۱۵)

سید احمد شہیدؒ پر ایک زائرانہ نظر

مجاہدِ جلیل حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ پر دورِ حاضر میں ایک خاص ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ سب سے پہلے ان کے ہی خانوادے کے ایک ذی علم، روشن خیال، اہل قلم نے ایک گلدستۂ معلومات ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کے نام سے پیش کیا تھا۔ جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور مجھ کو ہر ایک ایڈیشن کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اتفاق سے میرے مطالعہ میں اس کتاب کا وہی نسخہ آتا رہا جس کو امروہہ کے ایک بہترین ادیب اور ماہر تاریخ وانساب برادرم حکیم سید حسن مثنی صاحب[2] رضوی مدظلہ کی نظر سے گزرنے کا پہلے موقع ملتا تھا اور جس پر جابجا ان کے حاشیے اور افادات درج ہوتے تھے۔ میں نے کبھی بچپن میں ''سوانح احمدی'' کا مطالعہ کیا تھا اور اس کے مطالعہ سے حضرت سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء کی عقیدت کا اچھا خاصا نقش میرے قلب پر موجود تھا۔ اس کے بعد اس شستہ ورفتہ عنبرین تحریر نے جس کو مولانا سید ابوالحسن[3] علی ندوی مدظلہ کے قلم مشکبار نے مرتب کیا تھا اور جس میں سلجھا ہوا پُر تاثیر انداز تھا، میرے نقوش عقیدت کو اور زیادہ اُبھار دیا۔

---

[1] یہ مقالہ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ جلد ۲۴ شمارہ ۲ بابت صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء سے لیا گیا ہے۔

[2] مولانا حکیم سید حسن مثنیٰ رضویؒ عہد اکبری کے مشہور مشائخ حضرت شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ ابن بدر چشتیؒ کی اولاد میں تھے آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بعدہٗ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے استفادہ کیا۔ عربی اور اردو کے بہترین ادیب تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سے رشتہ داری بھی ہوتی تھی۔ مولانا علی میاںؒ نے پرانے چراغ حصہ اول میں آپ کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ امروہہ میونسپل بورڈ کے چیرمین رہے۔ ۲۸؍رجب المرجب ۱۳۸۲ھ موافق ۲۷؍دسمبر ۱۹۶۲ء میں وفات ہوئی۔

[3] جب یہ مضمون لکھا گیا تھا تو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ بقید حیات تھے آپ کا وصال ۲۲؍رمضان ۱۴۲۰ھ موافق ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء میں ہوا اور دائرہ تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی ابدی آرام گاہ بنی۔ (محب الحق)

''اللہ تعالیٰ شکر خورے کو شکر دیتا ہے'' گذشتہ سے پیوستہ سال اتفاق سے میرے پاس ''سید احمد شہیدؒ'' مؤلفہ مہؔر صاحب کا ایک نسخہ آیا جس کو میری معرفت ایک عزیز کے پاس پہنچنا تھا۔ اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول سے بڑی مسرت حاصل ہوئی، پہلے میں نے مطالعہ کیا پھر حکیم صاحب موصوف نے اسے دیکھا، وہ اس کتاب کے بہت ہی منتظر و مشتاق تھے۔ حکیم صاحب نے اس پر کئی جگہ اپنے نوٹ بھی درج کئے تھے، خیال تھا کہ اسی وقت اپنے خیالات قلمبند کرلوں لیکن موقع نہ ملا۔ آخر کار وہ کتاب میرے پاس سے چلی گئی، اور میں اسی دھن میں رہا کہ کسی طرح مجھے یہ کتاب پھر ہاتھ آئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دوبارہ ایک نئی جلد مہیا کرادی۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کتاب پر مبسوط تبصرہ لکھوں، دل کھول کر اس کی تعریف کروں، جرأت کے ساتھ اس کتاب کے ایک دو مقام کے متعلق اپنی رائے ظاہر کروں، کہیں کہیں جو اس میں قابل اصلاح پہلو ہیں دوسرے ایڈیشن کے لیے ان کی نشاندہی کروں، مگر اس وقت عدیم الفرصت ہوں، علاوہ ازیں جو تازہ تاثرات بوقت مطالعہ تھے وہ بھی کچھ مدھم پڑ گئے ہیں، خیر جتنا کچھ ہوسکتا ہے اس وقت لکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ ''سید احمد شہیدؒ'' جناب غلام رسول مہر کی بیس پچیس سال کی علمی و تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ جس سال یہ کتاب شائع ہوئی ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس سال ہندو پاکستان میں اردو زبان میں کوئی کتاب اس شان و شوکت کی شائع نہیں ہوئی تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ سید احمد شہیدؒ کا ذکر خیر اور مہؔر جیسے تجربہ کار اور پختہ نگار ادیب کے قلم سے نور علی نور اور سونے پر سہاگہ کا مصداق ہے۔ ع ''ذکر اس مجاہد کا اور پھر بیاں ان کا''

جس طرح ایک عمدہ مشاق غزل گو آخر میں میدان منقبت میں گامزن ہوکر کامیاب طریقہ پر حق منقبت ادا کرتا ہے اور تغزل کی چاشنی سے اپنے کلام کو نوازتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح مہؔر جیسے زرّیں نگار اہل قلم نے اپنی صحافی کہنہ مشقی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایسا اچھا شاہکار پیش کیا ہے جس نے دنیائے تاریخ و سیاست میں ایک دھوم مچادی اور ''نقاش اول''

(مولانا علی میاں مدظلہ) سے بھی دادِ تحقیق حاصل کر لی (ملاحظہ ہو تبصرہ مندرجہ الفرقان ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ)

اگرچہ طرز تحریر میں وہ حلاوت وہ فصاحت وہ بلاغت آمیز انداز، وہ ''جامعیت و مانعیت'' اور خیر الکلام ماقلّ ودلّ والا معاملہ تو نہیں ہے جو حضرت ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی تحریر میں پایا جاتا ہے لیکن پھر بھی خاص ادیبانہ طرز میں سادہ مگر پُرشکوہ الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنا، علمی مضامین کو سنجیدگی و شگفتگی کے ساتھ پیش کرنا تاریخی کڑیوں کا ملانا نازک مرحلوں پر اشہب قلم کو مہمیز دینا، الجھی ہوئی اور مدت کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانا پھر ایک خاص ترتیب کے ساتھ مؤرخانہ انداز میں ایک ضخیم مجموعہ پیش کرنا یہ حضرت مہؔر کا ہی حصہ ہے، خصوصاً ہجرت سے لے کر واقعہ شہادت تک کے واقعات مرتب کرنے میں تو وہ بالکل منفرد سے معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے واقعی بڑی جستجو، بڑی تلاش، بڑی کاوش سے جزیات تک مہیا کیے ہیں، غیر معروف مقامات کا پتہ چلایا ہے، نقشے کھینچ کر ان مقامات کا اندراج کیا ہے۔ قریب قریب ہر اہم مقام جنگ پر وہ خود سفر کر کے پہنچے ہیں، اس کا محل وقوع دیکھا ہے اور اس کی لفظوں میں تصویر کشی کی ہے۔

میں سچے دل سے اس بات کو عرض کر رہا ہوں کہ مجھے اس کتاب نے بہت فائدہ پہنچایا ہے اور میری محسن کتابوں میں سے ایک یہ کتاب بھی ہے۔ بوقت مطالعہ میرے دل میں بار بار یہ تمنا اُبھرتی تھی کہ کاش دینی و مذہبی کام کرنے والا ہر مسلمان، ہر اصلاحی جماعت کا ممبر، ملت بیضا کی سرسبزی و شادابی کا خواہاں، ہر فرد اور فروغ دین مبین کا متلاشی ہر شخص اس کتاب کو ایک مرتبہ ضرور دیکھ لے تاکہ اس کے سامنے بھی اتباع شریعت و سنت، ایثار و قربانی، اخلاق کی فراوانی، حکمت و موعظت اور احیاء دین کے صحیح صحیح نمونے آجائیں۔

مسئلہ غیبوبت، سید شہیدؒ کے اصل نصب العین اور چند دیگر اہم مسائل پر بالکل انوکھے انداز میں لکھا ہے، حقیقت واقعہ کو خوب خوب ظاہر کیا ہے۔ دلائل سے، براہین و شواہد

سے مدتوں کے پڑے ہوئے غلط پردوں کو چاک کیا ہے۔ ''جعلسازیوں'' پر بڑی چابکدستی سے ''عمل جراحی'' فرمایا ہے۔ واقعات کو یکجا کرنے اور اصل واقعہ کا پتہ چلانے میں مہر صاحب نے بے مثال محنت و جستجو سے کام لیا ہے، سفرِ ہجرت میں جو انداز بیان ہے وہ اتنا مؤثر، دل نشین اور دل آویز ہے کہ ناظر کتاب کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ بھی حضرت سید شہیدؒ کے قافلے کے ساتھ چل رہا ہے، پھر صبح شہادت کا منظر اتنا رقت انگیز ہے کہ بے اختیار دریائے دل میں طغیانی آ جاتی ہے اور طفل اشک آنکھوں میں آ آ کر مچلنے لگتے ہیں۔

مہر صاحب کو سید صاحبؒ، ان کے خاندان اور ان کے رفقاء سے جو عقیدت و محبت ہے وہ جگہ جگہ ان کے قلم سے مترشح ہو رہی ہے۔ وہ لاہور میں بیٹھے ہوئے دیار حبیب (رائے بریلی) کا بھی جگہ جگہ خلوص کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جذب و کیف کے بہت سے نمونے دکھاتا مگر عدم گنجائش وقت مانع ہے۔ صرف ایک نمونہ پیش کرتا ہوں ''سید احمد علی شہیدؒ'' خواہرزادۂ حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت پر مہر صاحب کی چند سطریں پڑھ لیجئے:

> ''سید احمد علی کا سنگ چقماق خراب ہو گیا اور بندوق سے کام لینے کی کوئی صورت نہ رہی تو خالی ہاتھ میں لے کر بندوق کو لٹھ کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ اس طرح بھی کئی دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ آخر نیزوں، تلواروں اور گولیوں کے زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔ گرتے ہی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی، غور فرمایئے، کہاں رائے بریلی اور کہاں پھولڑہ۔ پھر اہل و عیال کہیں، بھائی اور دوسرے اقرباء کہیں، دو فرزند ہندوستان میں، ایک جگر بند امبؔ میں۔ تنہا پھولڑے میں جان دی۔ وقت رخصت نہ کسی عزیز کا چہرہ دیکھا نہ اپنا چہرہ کسی عزیز کو دکھایا۔ نہ کسی کی بات سنی نہ اپنی بات سنائی نہ اس مبارک ساعت میں ایسا کوئی خیال دل میں گزرا، وہ جلیل المنزلت

ماموں بھی دور بیٹھا تھا، جس کی دعوت حق نے جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو سے دل کا گوشہ گوشہ معمور کر دیا تھا۔ راویوں نے لکھا ہے کہ بے شمار زخم لگے تھے لیکن سب جسم کے اگلے حصے میں تھے۔ پچھلے حصے میں خراش تک نہ آئی تھی جن ''بزرگانِ ملت'' نے سوا سو سال تک سید صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں کو ناقابل ذکر طعنوں کا ہدف بنائے رکھا، ان میں سے کتنے ہیں جن کی سرگذشتہائے حیات میں کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اس نوع کے ایثار کی خفیف سی جھلک بھی مل سکتی ہے؟'' (ص ۸۱ جلد دوم)

اس کتاب کی حقیقی تعریف کرنے کے لیے کسی سالک راہ ادب ہی کا قلم درکار ہے آسمان صحافت کا مہر مبین لائق صد مبارک باد ہے کہ اس نے اپنی چمک دمک سے نظروں کو خیرہ کر دیا۔ مگر یہ مہر مبین کہیں کہیں ابر آلود ہوتا بھی نظر آیا ہے، شاید یہ نظر بد سے بچنے کی کوئی قدرتی تدبیر ہو۔ اس ابر آلودگی کو میں بہت ہی مجبور ہو کر اور دل کے تقاضوں کے بعد ظاہر کر رہا ہوں ورنہ اس پہلو کو نہ دکھاتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی حیثیت تعلیم دین کی طرح، روحانیت، تنظیم امت اور دینی جدوجہد میں بھی ''نظام شمسی'' کی تھی یا نہیں؟ یہ ایک بحث ہے جو کتاب میں آئی ہے جس کو مہر صاحب نے بالقصد ایک ''مرحوم مجاہد'' کی ''افراط'' کے جواب میں چھیڑا ہے مگر افسوس خود مہر صاحب جواب دیتے دیتے ''تفریط'' کی وادیوں میں ''گلگشت'' فرمانے لگے۔ اس موقع پر اعتدال قائم رہتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اگر کسی صاحب نے سید شہیدؒ کی شخصیت کے کسی خاص پہلو پر اپنی رائے پیش کی تھی تو اس کا جواب یہ تو نہیں ہونا چاہئے تھا کہ سید صاحبؒ کا حضرت محدث دہلویؒ سے کنکشن ہی ختم کرنے کی غیر محسوس کوشش کی جائے۔ بیشک حضرت سید شہید عبقری خصوصیات کے مالک اور یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ ان میں جو

خوبیاں تھیں وہ اظہر من الشمس ہیں لیکن خدارا یہ تو دیکھو کہ حضرت سید شہیدؒ کے بزرگوں کا تعلق قدیم سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے چلا آرہا ہے۔ خود سید شہیدؒ کے بڑے بھائی کا شاہ عبدالعزیزؒ سے علمی وروحانی تعلق ہے، ''اکبر آبادی مسجد'' جو ولی اللّٰہی جماعت کا مرکز تھی سید صاحبؒ اس میں بیٹھ کر دینی جدوجہد کے نقشوں کو مرتب کرتے ہیں۔ اس کے بعد ''دوآبے'' کا سفر ہے۔ یہ دوآبے کا علاقہ وہ علاقہ ہے جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے رشتہ دار، مرید، شاگرد اور حلقہ اثر کے حضرات خاص طور پر پائے جاتے تھے، ویسے ان کا اثر کشمیر سے دکن اور سورت سے کلکتہ تک بلکہ بیرون ملک میں بھی تھا، کیونکہ ان کے شاگردوں اور مریدوں کا حلقہ نہ صرف براعظم ہند میں تھا بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان کی علمیت وروحانیت کا لوہا ماننے والے موجود تھے۔

اُن کے بھتیجے شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ تحریک کے اہم بازو ہیں، ان کے داماد مولانا عبدالحیٔ بڈھانویؒ اور ان کے چچا شاہ اہل اللہؒ کے پوتے مولانا محمد یوسف پھلتیؒ سید صاحبؒ کی دینی تحریک کے خاص ارکان ہیں۔ اگر عسکری واقفیت حاصل کرنے یا کسی اور مصلحت سے نواب امیر خاں کے لشکر سے تعلق پیدا کرنا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایما سے نہ بھی مانا جائے جیسا کہ مہؔر صاحب کو بہت زیادہ اصرار ہے اور اشارۂ غیبی ہی کے ماتحت لشکر امیر خاں میں جانا تسلیم کرلیا جائے (حالانکہ اشارۂ غیبی میں یہ ممانعت ہرگز نہ تھی کہ اپنے پیرومرشد سے تفصیلی پروگرام ہرگز معلوم نہ کرنا) تو اس کا وہ کیا جواب عنایت فرمائیں گے کہ ''دوآبے'' کا سفر تحریص وترغیب جہاد کے سلسلے میں کس کے ایما سے شروع ہوا تھا؟ خود مہؔر صاحب مقر ومعترف ہیں کہ:

> ''بعض اصحاب سے معلوم ہوا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے دوآبے کے دورہ سے پیشتر جگہ جگہ خط بھی لکھ دیئے تھے اور پیغام بھی بھیج دیئے تھے کہ سید صاحب ''ہمارے آدمی'' ہیں۔ ان کی تواضع میں کوئی

کوتاہی نہ کرنا، یہ یقیناً درست ہوگا اس لیے کہ یہ دورہ شاہ عبدالعزیز
صاحبؒ کے مشورہ سے شروع ہوا تھا۔'' (ص ۱۲۸ ج اول)

مگر جب یہ لکھتے ہی مہرؔ صاحب کو خیال آجاتا ہے کہ یہ تو پھر وہی بات آگئی جس سے ''تعلق ٹونک'' کے معاملہ میں اور ہر ایسے موقع پر پہلوتہی کی تھی تو اب ان کا قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوتا ہے

''لیکن مختلف مقامات پر خدمت دین اور شیفتگی اسلامیت کا جو جذبۂ
صادقہ پیدا ہوا وہ خدا کے فضل و کرم کے بعد صرف سید صاحبؒ کی
روحانی برکات اور والہیت اور احیاء اسلامیت کا کرشمہ تھا۔''

اس ''حصر وانحصار'' پر اکتفانہ کر کے مقطع میں سخن گسترانہ بات پھر آتی ہے، فرماتے ہیں:

''شاہ عبدالعزیزؒ کے خطوط و پیغامات مختلف حلقوں میں
شناسائی کا ذریعہ ضرور بن سکتے تھے۔ لیکن دل افروز نتائج و ثمرات
صرف سفارشوں سے پیدا نہیں ہوتے۔''

میں نہیں سمجھتا کہ آخر مہرؔ صاحب کی اتنی کوشش اس امر کے ثابت کرنے میں کیوں ہے کہ سید صاحبؒ جو پیغام دین لے کر اُٹھے تھے یا جو تحریک انھوں نے چلائی تھی وہ محض ان کے الہام ہی پر مبنی تھی اور کوئی اس معاملہ خاص میں رہنما، مشیر، سرپرست اور ایما کنندہ نہیں تھا اور وہ کیوں ولی اللٰہی خاندان سے سلسلہ تحریک کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں؟

میں نہایت صفائی سے کہتا ہوں کہ وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، سنجیدہ مؤرخ پھر بھی یہی رائے ظاہر کرے گا کہ سید صاحبؒ کی تحریک کا رشتہ براہِ راست شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے جڑتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات مہرؔ صاحب کی نظر گرامی سے گزر چکے ہوں گے۔ ان جذبات کا شاہ عبدالعزیزؒ پر اور ان کے واسطے سے ان کے روحانی فرزند حضرت سید صاحبؒ پر اور ان کے بھتیجے شاہ محمد اسماعیلؒ پر اثر پڑنا کوئی بعید از عقل

بات ہے یا اس سے کوئی سید صاحبؒ کی تنقیص ہوتی ہے؟

میں مہرؔ صاحب سے اس صاف گوئی کی معافی چاہتا ہوں اور ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں نظر ثانی کریں، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت سید شہیدؒ میں کوئی مغائرت ظاہر کرنا یہ کوئی اچھی کوشش نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں بزرگ واجب التعظیم ہیں اور اگر ہم شاہ عبدالعزیزؒ کو اس آنکھ سے دیکھیں جس آنکھ سے سید صاحبؒ اور ان کے خاندان نے دیکھا تھا تو ہم بھی اس ذات کو منبع حسناتؒ اور مرکز خیرات تصور کرنے پر مجبور ہوں گے اور ہمیں ذرا شبہ نہ ہوگا کہ جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے سید صاحبؒ کی روحانی تربیت کے لیے منتخب کیا تھا اسی شخصیت کے محسوس وغیر محسوس برکات ہیں جو سید صاحبؒ کے کارناموں میں جلوہ گر ہیں۔ ہاں! بقول مہرؔ۔ ''خدا کے فضل وکرم کے بعد''۔ خود روحِ شہیدؒ سے معلوم کرنے کی کسی میں صلاحیت ہو تو شاید وہ اس شعر کے مفہوم کو ادا کرے

کار، زلف تست مشک افشانی لمّا عاشقاں ☆ مصلحت را تہمتے برآہوئے چیں بستہ اند

اب میں چند باتوں کی تصحیح کی طرف اور متوجہ ہوتا ہوں۔

(۱) ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء) میں سید قطب الدینؒ نے وفات پائی (جلد اول ص ۳۱) صحیح یہ ہے کہ سید قطب الدینؒ کی ولادت ۵۸۱ھ میں ہوئی اور وفات ۶۶۷ھ بعمر ۸۶ سال۔ (آئینہ اودھ بحوالہ بحرالانساب)

(۲) انھوں نے (سید محمد نعمانؒ نے) سیرت علمیہ کے نام سے اپنے جدامجد کے حالات میں ایک کتاب مرتب کی تھی۔ (ص ۵۳ جلد اول) صحیح یہ ہے کہ سید محمد نعمانؒ کی کتاب کا نام ''اعلام الہدیٰ'' ہے۔ اُس پر حکیم سید فخرالدین حسنیؒ نے اضافہ کیا اور ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ''سیرت علیہ'' ہے۔ بعدہٗ ان کے صاحبزادے مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنیؒ رائے بریلویؒ نے ''تذکرۃ الابرار'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جن میں مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے مضامین لیے اور اضافہ بھی کیا۔ (از افادات حکیم سید حسن مثنیٰ رضوی مدظلہ امروہوی)

(۳) سید محمد ثابت بن سید محمد حیا بن سید محمد ہدیٰ بن سید علم اللہؒ (جلد اول ص ۸۰) سید محمد حیا اور سید محمد ہدیٰ کے درمیان سید محمد ثنا کا اضافہ ہونا چاہئے۔ (از افادات حکیم سید حسن مثنیٰ رضوی)

(۴) مولانا عبدالحئیؒ (بڈھانوی) شاہ عبدالعزیزؒ کے بھانجے اور داماد تھے۔ (ج اص ۱۱۶) شاہ صاحبؒ مولانا عبدالحئیؒ کے پھوپھا تھے، ماموں نہ تھے۔ (از افادات رضویہ)

(۵) جلد اول میں ص ۱۱۵ پر حضرت شاہ اہل اللہؒ کو (جن کا مزار پھلت ضلع مظفر نگر میں ہے) حضرت شاہ ولی اللہؒ کا برادر اکبر لکھا ہے حالانکہ وہ برادرِ کوچک (خورد) تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ایک علاتی بھائی تھے جن کا نام صلاح الدینؒ تھا اور پھلت کی خاتون مکرمہ و معظمہ فخر النساء بنت شیخ محمد پھلتیؒ (خلیفہ شاہ عبدالرحیم فاروقی محدث دہلویؒ) کے بطن سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، بعدہٗ حضرت شاہ اہل اللہؒ مصنف چہار باب و تکملہ ہندیہ (در علم طب) پیدا ہوئے۔ (ماخوذ از یادداشت بر سرورق انفاس العارفین قلمی در کتب خانہ دار العلوم دیوبند)

(۶) ص ۵۴ جلد اول کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ سید معصوم احمد اور سید مصطفیٰ سید صاحبؒ کے ہم خاندان تھے۔ پورا شجرہ مجھے معلوم نہیں۔

پورا شجرہ یہ ہے: سید معصوم احمد بن مولانا سید محمد واضح بن سید محمد صابر بن سید آیت اللہ بن سید علم اللہؒ۔ (از افادات رضویہ)

(۷) جلد اول ص ۴۸ پر سید آیت اللہ کے جہاں بیٹوں کے نام ہیں وہاں ایک بیٹے کا نام بجائے سید محمد حسن کے سید محمد احسن ہونا چاہئے۔ (افادہٗ رضویہ)

(۸)[۱] سید صاحب کے رفقاء کا جتنا سامان تھا اس کی پہچان یہ تھی کہ ہر ننگ پر ۱۲۷ کا ہندسہ لکھ دیا گیا۔ (یعنی سید صاحب کے اسم احمد کے عدد از روئے ابجد) ص ۲۲۴ جلد اول۔ سید

---

۱ تبصرہ نگار نے اپنے ایک مکتوب میں اطلاع دی ہے کہ یہ استدراک کتاب کے پہلے ایڈیشن پر کیا گیا تھا بعد میں ایک دوسرا نسخہ سامنے آیا ہے غالباً اسی دوسرے ایڈیشن کا ہے۔ اس میں اس غلطی کی تصحیح مصنف نے خود کر دی ہے۔ ایڈیٹر

احمد کے عدد ۱۲۷ ہیں نہ کہ فقط احمد کے۔

(۹) جلد دوم ص ۱۷۵ کے حاشیہ میں ہے۔ قادر آباد ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بہہ گیا تھا لیکن۔ تاریخ تناولیاں ص ۶۲ پر ہے کہ طوفان مشہور ۱۸۳۸ء میں آیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱۰) فہرست غازیان میں مقام "موراواں" کو "مورائین" لکھا ہے اور مولوی محمد حسن (رام پور منیہاراں والے) کو پھلت کی فہرست میں شامل کر دیا ہے یا ممکن ہے اس نام کے پھلت کے بھی کوئی غازی ہوں، لیکن رام پور منیہاراں کے جانباز مجاہد شہید پھولڑہ کا نام کہاں گیا؟

(۱۱) حاجی سید عبدالرحیم ولایتیؒ کا نام فہرست شہداء میں نہیں ہے۔ غازیوں کی فہرست مندرجہ صفحہ ۴۱۵ (جلد ثانی) میں حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ کا نام موجود ہے، بتواتر ثابت ہے کہ حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ خلیفہ حضرت شاہ عبدالباری صدیقی امروہیؒ بہمراہی حضرت سید شہیدؒ راہِ حق میں شہید ہوئے۔ "انوار العارفین" مؤلفہ حافظ محمد حسین چشتی مراد آبادیؒ میں ان کی شہادت کی تصریح ہے اور "وفیات الاخیار" میں سنہ وفات ۱۲۴۶ھ ہی درج ہے۔ اگر چہ مہینہ رمضان کا بتایا ہے۔ سلسلہ صابریہ امدادیہ کے تمام شجروں میں ان کو شہید لکھا ہے اور ۱۲۴۶ھ سنہ شہادت مانی ہے۔ صاحب "انوار العارفین" نے سید صاحبؒ اور حاجی عبدالرحیم فاطمی ولایتیؒ کے تذکروں میں ۲۷/ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ تاریخ شہادت لکھی ہے، مہر صاحب نے ۲۴/ ذیقعدہ تاریخ شہادت تحریر فرمائی ہے۔ "تواریخ عجیبہ" (سوانح احمدی) سے مہر صاحب کی پیش کردہ تاریخ کی ہی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب میں جنگ پھولڑہ سے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ مہر صاحب کو اس بات کا اقرار ہے کہ میں پھولڑہ کو دیکھ نہ سکا، یہ تفصیلات مختلف اصحاب سے معلوم ہوئیں، کہہ نہیں سکتا کہ انہیں ٹھیک ٹھیک بیان کر سکا ہوں یا نہیں؟ (ص ۱۷۸ جلد دوم بر حاشیہ)

صفحہ ۱۸۰ پر لکھتے ہیں کہ۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کل کتنے غازی شہید ہوئے۔ ص ۱۸۳ پر طرف ثانی کے مقتولوں کی تعداد سے اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے۔

ص ۱۸۴ پر ہزارہ گزیٹیر کی بیان کردہ تاریخ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
''نہ غازیوں کو شکست ہوئی نہ ایک ایک غازی کٹا۔''

میں چاہتا ہوں کہ تاریخ ''تناولیاں'' سے اس جنگ کا حال بقدر ضرورت نقل کردوں۔ تاریخ تناولیاں سید مراد علی ابن عنایت علی متوطن قدیم علی گڑھ، منشی سرحد چوکی دربند ضلع ہزارہ کی تالیف ہے، مؤلف ۱۸۷۲ء میں سرحد علاقہ ''تنول'' پر مامور کیا گیا تھا۔ اس نے عمر رسیدہ اشخاص کی زبانی جنگ تناولیاں کے حالات سن سن کر ایک مختصر سی کتاب کی شکل میں ۱۸۷۸ء میں ان کو مرتب کیا اور اسی سن میں مطبع کوہ نور پنجاب میں چھپ کر یہ کتاب شائع ہوئی۔ کتاب کی عبارت مسجع و مقفیٰ اور پُر تکلف ہے خود مؤلف ''سرکار دولتمدار'' (انگریز) کا انتہائی خیرخواہ ہے۔ اسی بنا پر مجاہدین کا ادب واحترام اس کے پیش نظر نہیں، جگہ جگہ غازیوں خصوصاً حضرت سید شہیدؒ کے تذکرہ میں گستاخی کا لہجہ اختیار کیا ہے۔ پھر بھی تناولیوں سے متعلق واقعات کا اندازہ اس کتاب سے بخوبی ہوجاتا ہے۔ یہ کتاب چہار باب پر مشتمل ہے۔

جنگ پائندہ خاں کا حال اس طرح شروع کرتا ہے:

''راویان معتبر بچشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۸۳۰ء میں خلیفہ سید احمد نے ...... یار محمد خاں حاکم پشاور وکوہاٹ برادر دوست محمد خاں والی کابل کو بہ پشت گری لشکر غازیاں شکست دی اور ملک پشاور وکوہاٹ پر قبضہ کرکے اپنے تھانہ جات مقرر کیے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا...... (پھر جنگ انب کا تذکرہ کرکے لکھتا ہے) الغرض ملک تنول پر حکومت خلیفہ کی ایک چھ ماہی مع الخیر گزری اور معاملہ یعنی محصول ایک فصل کا خلیفہ نے وصول کیا۔ یہ حال دیکھ کر پائندہ خاں کا دم ناک میں آیا۔ سخت گھبرایا، ہر طرح ذہن لڑایا، کچھ نہ بن پایا، آخر ایک

عجز آمیز خط بطلب کمک سردار ہری سنگھ کے نام جو اس وقت
بخوف...... خلیفہ احمد مع لشکر قلعہ مانسہرہ میں مقیم تھا، ارسال کیا، (اس
کے بعد چند شعر ہیں) جب یہ خط سردار کی نظر سے گزرا بسکہ گرگِ
باراں دیدہ تھا، اول جمیع پہلو اس نے بتامل تمام سوچے، یہاں تک
کہ رائے متین نے یوں مشورہ دیا کہ خلیفۂ سید احمد اور پائندہ خاں
اپنے دونوں دشمن ہیں اور خلیفہ ملک تنول کو فتح کر چکا ہے۔ آئندہ
ملک پکھلی میں ہاتھ ڈالے گا، ملک ستانی کا حوصلہ نکالے گا، پائندہ
خاں کو کمک دے کر خلیفہ سے لڑوانا عین مصلحت اور محض صلاح وقت
ہے، بہر حال ایک نہ ایک دشمن نابود ہوگا ہر طرح اپنا سود ہوگا......
نشیب و فراز سوچ سمجھ کر جواب لکھوایا۔''

نہیں ہے کمک سے مجھے انحراف ☆ ولے بات سُن لے میری صاف صاف
کہ اپنے جہاں داد فرزند کو ☆ یہاں بھیجدے مدت چند کو
کہ برسم گرو وہ رہے میرے پاس ☆ کہ ہم تم رہیں روز و شب بے ہراس
یقیں جاننا جب وہ آیا یہاں ☆ اسی وقت کر دوں گا لشکر رواں
پسر کو نہ بھیجا گر اے نامدار ☆ تو پھر کس کی فوج اور کہاں اعتبار

سوائے اس کے پرگنہ پھولڑہ کا جس پر ہندوستانی مجاہدین قابض ہیں
بذاتِ خاص لڑ بھڑ کے خالی کرادوں گا۔ قصہ کوتاہ بقول صاحب الغرض
مجنون تنگ آمد بجنگ آمد۔ سردار موصوف نے اپنے فرزند دلبند جہاں
داد خاں کو برسم گرو (گروی) سردار ہری سنگھ کی خدمت میں بھیج دیا۔
تب سردار مذکور نے دو پلٹن جنگی مع سامانِ جنگ پائندہ خاں کی مدد کو
روانہ کیں اور خود مع سردار مہا سنگھ اور فوج کثیر سکھاں کے مانسہرہ سے

پھولڑہ بارادۂ جنگ ہندوستانیاں شباشب راہ پیما ہوا، جب یہ خبر اس طرف پہنچی مولوی احمد علی اور اس کے ہمراہی ہندوستانیوں نے بہ صواب دید سربلند خاں و مدد خاں ومحمد عباس اتالیق گزر دریائے سرن پرناکہ بندی کی۔ عاقبت الامر اسی گزر پر دونوں لشکر ملاقی ہوئے اور طرفین سے خونریزی اور کشتن وکوشش بروئے کار آئی، ہندوستانیوں نے از راہ شجاعت دو مرتبہ لشکر مہاسنگھ کو پسپا کر دیا اور کسی قدر جوان سکھوں کی طرف سے کام میں آئے۔ اس واردات کو دیکھ کر سردار ہری سنگھ سپہ سالار مہاسنگھ پر خشمناک اور بذاتِ خود حملہ آور ہوا۔ بسبب ہجوم وغلبہ سکھاں ہندوستانیوں کو کنارۂ دریا سرن سے ہٹنا پڑا۔ ایک صاف میدان میں سروں کو کف دست پر رکھ کر گرم خریداریٔ جنس مرگ ہوئے۔ اس وقت سربلند خاں اور سردار مدد خاں اور محمد عباس اتالیق نے مولوی احمد علی کو متفق اللفظ باصرار تمام سمجھایا، بجھایا کہ مولانا آج جنگ بیرنگ ہے کیا جانے قضا کا کیا نیرنگ ہے۔ عرصۂ حیات تنگ ہے بہتر یوں ہے کہ یہاں سے کنارہ کش ہوکر خلیفہ صاحب کی خدمت میں چلیے۔ بعد صلاح ومشورہ باتفاق ہمد گر جیسا مناسب وقت ہوگا عمل میں آئے گا۔ احمد علی کے سر پر قضا کھیل رہی تھی صاف انکار کیا، مجبور تینوں ناصحوں نے مولوی سے ایک نوشتہ لکھوالیا تا کہ ان پر خون مولوی کی تہمت نہ آئے۔ بلند کوہ پر چڑھ کر تماشا دیکھتے رہے، سکھوں نے ہر چہار طرف سے ہندوستانیوں کو گھیر لیا۔ طرفین دل کھول کر خوب لڑے، دل کا بخار خوب نکالا۔ لشکر سکھاں پیادہ وسوار چار ہزار سے کم نہ تھا اور ہندوستانی بے چارہ کل پانچ سو آدمی بایں ہمہ

قریب ایک ہزار سکھ کے کھیت رہے۔

ہندوستانیوں کی کچھ نہ پوچھئے سب کے سب مع مولوی احمد علی کے زندگی سے سیر میدان میں ڈھیر ہوئے۔ صرف دو ہندوستانی رامپور کے لڑاک نہایت چالاک و...... مثل (فیل) مست عرصۂ نام و ننگ میں جھومتے رہے جو سامنے آیا عدم کا راستہ بتایا (اس کے بعد یہ دونوں بھی بہادری کے جوہر دکھا کر شہید ہو جاتے ہیں، خاصی تفصیل سے ان کی بہادری کو پیش کر کے آخر میں لکھتے ہیں)

مولوی احمد علی کی قبر پھولڑہ میں ہے، سردار ہری سنگھ فتح کے جوش میں شادیانے بجوا کر اور اپنے مردوں کو گاڑ داب کر مانسہرہ واپس گیا۔ صفحہ ۴۷ تا ۵۳"

انوار العافین مؤلف کی نظر سے نہیں گزری اس کتاب میں صفحہ ۵۱۸ سے ۵۲۲ تک حضرت سید صاحبؒ کا ذکر خیر ہے۔ صاحب انوار العارفین نے حضرت سید شہیدؒ اور حضرت مولانا (محمد اسماعیل) شہیدؒ کو بچپن میں دیکھا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"چوں در مراد آباد تشریف آوردند راقم خورد سال بود صورِ شمائل ایشاں و آنجناب در حفظ نماندہ"

ایک جگہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تاثیر کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

"آنچناں ہمت باطن بر خاص و عام ریختند کہ مسلمان دیارِ ہند برادر برادر را و پسر مادر و پدر را و پدر، پسر و دختر را و زوج زوجہ را گذاشتہ ہمراہ آنجناب شد۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ۹ رصفر ۱۲۴۳ھ کو مسلمانانِ مراد آباد نے مبلغ تین ہزار ستتر روپئے آٹھ آنے حضرت سید احمد شہیدؒ کی خدمت میں بطور ہنڈوی بھیجے تھے اور یہ سب سے پہلی ہنڈوی تھی جو ہندوستان سے پہنچی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''از جواب خط ہنڈوی آنجناب معلوم گردید کہ اول ہنڈوی مسلمانانِ مرادآباد رسید''

انوار العارفین سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ و مولانا شہیدؒ شاہجہانپور بھی تشریف لے گئے ہیں۔ اور یہ تشریف آوری غالباً اسی سفر میں ہوئی ہے جس میں دہلی سے وطن کی طرف مراجعت میں امروہہ، مرادآباد، رامپور وغیرہ تشریف لے گئے تھے۔ جناب خلیل احمد صاحب شاہجہان پوری کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:

''دراں زمانہ کہ جناب سید احمد از دہلی در شاہجہانپور تشریف بردند مولوی محمد اسماعیل و آں جناب برائے ملاقات ایشاں (خلیل احمد خاں) آمدند''

آخر میں اتنا اور عرض کردوں کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کا امروہہ تشریف لانا بالکل معلوم نہ تھا اتفاق کی بات کتاب ''سید احمد شہیدؒ'' کے حاصل ہونے سے چند روز پیشتر میں دل ہی دل میں کہتا تھا کہ حضرتؒ کا قافلہ سب ہی جگہ گیا امروہہ نہ آیا اس پر افسوس بھی ہوتا تھا۔

اسی عرصہ میں جناب حکیم سید حسن مثنی صاحب کی زبانی اتنا معلوم ہوا کہ حضرت مولانا (محمد اسماعیل) شہیدؒ امروہہ تشریف لائے ہیں۔ اور ان کے غالباً دو وعظ امروہہ میں ہوئے ہیں جن میں ایک ''مسجد بصری بیگم'' میں ہوا اس وعظ میں نکاح بیوگان کی ترغیب تھی، اس وعظ کا امروہہ میں بڑا چرچا ہوا۔ پھر کتاب سے یہ معلوم کرکے خوشی کی انتہاء نہ رہی کہ حضرت سید احمد شہید قدس سرہ بھی امروہہ تشریف لائے تھے۔ فہرست شہداء میں امروہہ کے بھی دو شہیدوں کا اندراج ہے۔ امروہہ میں بالکل اس کا علم نہ تھا۔ مہر صاحب کی محنت و کاوش کی پھر داد دیتا ہوں کہ انھوں نے ایسے جزیات تک کا کھوج لگایا ہے کہ ہر ایک کی دسترس وہاں تک نہیں ہوسکتی۔ سیکڑوں صفحات میں چند باتیں قابل اصلاح ہوں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ کتاب مجموعی حیثیت سے ''آبِ زر'' سے لکھنے کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔